الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خان

اگر آپ چھت کی طرف سے اپنی آرزوؤں کا محل
کھڑا کرنا چاہتے ہیں تو بالآخر ——
آپ کے حصہ میں ملبہ کے سوا اور کچھ نہ آئے گا

شمارہ ۵۰
جنوری ۱۹۸۱

زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

جنوری ۱۹۸۱

شمارہ ۵۰

جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجتماع

ماہنامہ الرسالہ جس دینی اور تعمیری مقصد کے لئے جاری کیا گیا ہے وہ اب خدا کے فضل سے ایک تحریک بن چکا ہے۔ لوگوں کا اصرار تھا کہ اب اس تحریک کو تنظیم کی صورت دے دی جائے۔ چنانچہ اس کے پہلے اجتماع کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ اس اجتماع میں الرسالہ کی تحریک سے ہمدردی رکھنے والوں کو شرکت کی دعوت دی جائے گی اور اس موقع پر انشاء اللہ اس کام کو مزید مؤثر اور منظم بنانے کی بابت فیصلے کئے جائینگے۔

اجتماع کے مقام، تاریخ اور دوسری تفصیلات کی بابت عنقریب اعلان کیا جائے گا۔ اجتماع میں شرکت کرنے والوں کو اپنا خرچ خود برداشت کرنا ہوگا۔ جو لوگ شرکت کا ارادہ رکھتے ہوں وہ براہ کرم بذریعہ خط مطلع فرمائیں تاکہ شرکاء کی تعداد کا پیشگی اندازہ کیا جا سکے۔

ادارہ الرسالہ

الرسالہ کے لئے بنک سے رقم بھیجتے ہوئے ڈرافٹ پر صرف الرسالہ منتھلی Al-Risala Monthly لکھیں

یہ بھی ممکن ہے

بیٹے نے اپنے ننھے ہاتھوں سے ماں کو مارا۔ ماں نے بیٹے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک معاملہ جو بظاہر مار کا معاملہ تھا اس کو ماں نے محبت کا معاملہ بنا دیا۔ اس نے "برائی" کو "بھلائی" کے خانہ میں ڈال دیا۔ اس نے ایک قابل سزا چیز کو قابل انعام چیز قرار دے دیا۔ یہ واقعہ جو ہر گھر میں گزرتا ہے، یہ خدا کی صفات کمال میں سے ایک صفت کی ہلکی سی جھلک ہے جو ماں کے رویہ کی صورت میں دکھائی گئی ہے۔ یہ خدا کی ایک نشانی ہے جو بتاتی ہے کہ خدا نے اپنی رحمتوں کے کیسے عجیب نمونے اس دنیا میں بکھیر دیے ہیں۔ شفقت کی یہ انوکھی قسم جو ماں کے اندر پائی جاتی ہے اس کو ماں نے خلق نہیں کیا ہے۔ اس کا خالق اللہ ہے۔ پھر جو اس کا خالق ہے اس کے اندر یہ صفت کمال درجہ میں پائی جانی چاہیے۔

آدمی غیب کو نہیں جانتا، اس بنا پر اس کو دنیا کی زندگی میں طرح طرح کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کی قوت ارادی کمزور ہے، اس بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی سطحی جذبہ سے مغلوب ہو جاتا ہے اور بڑی بڑی غلطیاں کر بیٹھتا ہے۔ آدمی کے وسائل محدود ہیں، اس بنا پر بار بار ایسا ہوتا ہے کہ باہر کے اسباب و عوامل پر وہ قابو نہیں پاتا اور شکست کھا جاتا ہے۔ اس قسم کی چیزوں نے دنیا میں انسان کی زندگی کو ایک المیہ بنا دیا ہے۔ زمین پر چلنے والا ہر آدمی خواہ وہ کوٹھی میں ہو یا جھونپڑی میں، اس احساس میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ ایک ناکام انسان ہے، وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا اس کو وہ حاصل نہ کر سکا۔ یہاں کا ہر انسان ایک مایوس انسان ہے، خواہ بظاہر وہ فربہ جسم اور ہنستے ہوئے چہرہ کے ساتھ کیوں نہ دکھائی دیتا ہو۔

کیا اس المیہ کو طربیہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ زندگی کی منزل پر ہم اس حال میں پہنچیں کہ ہماری ناکامیاں کامیابیوں کی صورت اختیار کر چکی ہوں، ہمارے قصور کو انعام کے خانہ میں ڈال دیا گیا ہو۔ ماں کی زندگی میں خدا نے اپنی صفات کی جو ایک جھلک دکھائی ہے وہ اسی سوال کا ایک مثبت جواب ہے۔ خدا اپنے بندوں کے لئے اس سے زیادہ بڑے پیمانہ پر اس واقعہ کو رونما کر سکتا ہے جو ماں اپنے بچہ کے لئے بہت چھوٹے پیمانہ پر ظاہر کرتی ہے۔ ماں کے رویہ کی صورت میں خدا نے دنیا میں جو نشانی قائم کی ہے وہ اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ مانگنے والے کو یہ انعام بھی دیتا ہے کہ — وہ اس کے "نہیں" کو "ہے" میں تبدیل کر دے۔ مگر ایسا انعام صرف اس شخص کے لئے مقدر ہے جو خدا کو اپنی "ماں" کا درجہ دے کر اپنے آپ کو اس کا "بیٹا" بنا چکا ہو۔

عقل سے کام نہ لینا

ایک شخص پردیس میں ہے۔ اس کے پاس گھر سے تار آتا ہے کہ لڑکا سخت بیمار ہے، فوراً آجاؤ۔ تار کو پڑھتے ہی وہ تڑپ اٹھے گا اور خواہ اس کے پاس سفر نہ کرنے کے کتنے ہی عذر ہوں وہ تمام عذرات کو نظر انداز کرکے وطن کے لئے روانہ ہوجائے گا۔ وہ اپنے آرام کو چھوڑے گا، اپنے مال کو خرچ کرے گا، اپنے معاشی فائدہ کو خطرہ میں ڈالے گا۔ غرض ہر دوسری چیز کو ثانوی اہمیت دے کر جلد سے جلد اپنے بیٹے کے پاس پہنچے گا۔ وہ اپنے گھر سے آئے ہوئے پیغام کی لازماً پیروی کرے گا، خواہ اس کی وجہ سے اس کو تمام دوسرے تقاضے چھوڑ دینے پڑیں۔

مگر اسی شخص کے پاس ایک اور پیغام آتا ہے۔ یہ خدا کا پیغام ہے۔ اس پیغام میں بھی ایک بلاوا ہے۔ اس میں بھی اس کو کسی چیز کی طرف پکارا گیا ہے۔ مگر وہ اس کو پڑھ کر بے قرار نہیں ہوتا۔ وہ اس کا ساتھ دینے کے لئے نہیں اٹھتا۔ وہ طرح طرح کے سوالات میں الجھ کر اس کی طرف بڑھنے سے رک جاتا ہے — اس پیغام کو لانے والا تو ایک معمولی آدمی ہے، اکابر میں سے کسی کا اس کے اوپر دستخط نہیں۔ اس پیغام کو قبول کرنے میں بہت سے مفادات اور مصالح مجروح ہوتے ہیں۔ اگر میں اس کو مان لوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری اب تک کی ساری زندگی غلط تھی۔ غرض گروہی عصبیت، مصلحت اندیشی، عزت نفس اور "میں" کا سوال اس کو اس پیغام کی طرف جانے سے روک دیتا ہے۔ کوئی سرے سے انکار کر دیتا ہے، کوئی اس کی صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک "مگر" لگا کر اپنے لئے جائز کر لیتا ہے کہ وہ اس کے لئے نہ اٹھے، وہ اس کا ساتھ نہ دے۔

یہی وہ صورت حال ہے جس کو قرآن میں ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے: اور نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے (یونس ۱۰۰) خدا نے عقل اسی لئے دی ہے کہ جو بات عقل سے صحیح ثابت ہو اس کو فوراً مان لیا جائے۔ مگر جب آدمی عقل کی پیروی نہیں کرتا تو وہ خواہشات کا پیرو بن جاتا ہے اور خواہش آدمی کو بربادی کے سوا اور کہیں نہیں لے جاتی۔

امتحان کی اس دنیا میں آدمی کے سامنے ہمیشہ دو راستے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک بات جب واضح دلائل سے ثابت ہو رہی ہو تو اس کو مان لیا جائے۔ دلائل کے سامنے آنے کے بعد کسی دوسری چیز کو اہمیت نہ دی جائے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ آدمی دلائل پر ٹھہرنے اور سوچنے کے لئے تیار نہ ہو، اس کے بجائے

اس کا ذہن دوسری دوسری سمتوں میں کام کرنے لگے۔ وہ اس میں غیر ضروری موشگافیاں پیدا کرے۔ وہ دنیوی مفادات اور گروہی مصلحتوں کو اہمیت دینے لگے۔ یہ دیکھے کہ بات اپنے ذوق کے مطابق ہے یا اپنے ذوق کے خلاف۔ یہ احساس اس کو مغلوب کرلے کہ اگر میں نے اس کو مان لیا تو میں چھوٹا ہو جاؤں گا، وغیرہ۔ ان دونوں راستوں میں سے پہلا راستہ عقل کا راستہ ہے اور دوسرا راستہ گندگی کا راستہ۔ جب کوئی شخص خدا کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتا تو گویا وہ شیطان کو اپنے اندر گھسنے کا موقع دے رہا ہے۔ ایسے شخص کو شیطان اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ وہ دلائل سے ثابت شدہ بات کو اس کی نظر میں گھٹاتا ہے اور دوسری دوسری باتوں کو اسے اہم بنا کر دکھاتا ہے۔ شیطان اپنی تمام گندگیوں کے ساتھ اس کے دل و دماغ میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ اس کو فطرت کے سیدھے راستہ سے ہٹا کر خود اپنے بنائے ہوئے ٹیڑھے راستوں میں بھٹکا دیتا ہے۔

خدا کی طرف سے ہدایت کی توفیق اسی شخص کو ملتی ہے جو خدا کے تخلیقی ڈھانچہ کی پیروی کرے۔ خدا کا تخلیقی ڈھانچہ کیا ہے۔ خدا نے ہر آدمی کے اندر ضمیر رکھ دیا ہے جو ہر معاملہ کے وقت اندر سے اشارہ کرتا رہتا ہے کہ کون سا راستہ فطرت کے مطابق ہے اور کون سا فطرت کے خلاف۔ اب خدا کے تخلیقی ڈھانچہ کی پیروی یہ ہوگی کہ جس چیز کے بارے میں آدمی کے ضمیر کے اندر کھٹک پیدا ہو اس کو وہ چھوڑ دے اور جس چیز پر اس کا ضمیر مطمئن ہو اس کو پکڑ لے۔ اسی طرح ہر آدمی کے اندر عقل ہے جو اس بات کو سمجھنے کی خداداد صلاحیت رکھتی ہے کہ کیا چیز ثابت شدہ ہے اور کیا چیز ہے جس کے حق میں کوئی حقیقی ثبوت نہیں۔ اب خدا کے تخلیقی ڈھانچہ کی پیروی یہ ہوگی کہ آدمی ثابت ہونے والی بات کو لے لے اور جس بات کے حق میں ثبوت نہیں ہے اس کو چھوڑ دے۔ اسی طرح ہمارے گرد و پیش خدا کی ایک پوری دنیا ہے جو کامل درجہ صحت کے ساتھ چل رہی ہے۔ جب بھی ہم کسی معاملہ میں کوئی رویہ اختیار کرنا چاہتے ہیں تو کائنات کا نظام خاموش زبان میں بتاتا ہے کہ یہ رویہ اس کے مقررہ نظام کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ اب خدا کے تخلیقی ڈھانچہ کی پیروی یہ ہوگی کہ آدمی جس رویہ کو خدا کی وسیع تر کائنات کے مطابق پائے اس کو اختیار کرلے اور جو رویہ اس کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دے۔

قرآن اسی حق پرستانہ زندگی کو پانے اور اس پر چلنے کے لئے ایک رہنما کتاب ہے۔ قرآن کارخانۂ عالم کی گائڈ بک ہے۔ اگر آدمی سنجیدہ ہو اور فطرت کی آواز پر دھیان دینے کے لئے تیار ہو تو وہ اس کتاب کی رہنمائی میں ضرور حقیقت کو پالے گا۔ اور جب آدمی سنجیدہ نہ ہو تو الفاظ کی زبان اس پر کام نہیں کرتی۔ ایسا شخص تو اسی وقت جاگتا ہے جب کہ حقیقت پردہ پھاڑ کر عیاناً اس کے سامنے آجائے۔

یہ انسان!

حضرت مسیح کے وعظوں میں سے ایک وعظ میں داعی اور مدعو کی تمثیل ہے۔ یہاں ہم اس تمثیل کا عربی اور اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں:

وبمن اُشبّہ ھٰذا الجیل۔ یُشبہ اولاداً جالسین فی الاسواق ینادون الی اصحابھم ویقولون: زمّرنا لکم فما رقصتم وندبنا لکم فما بکیتم (متی ۱۱ : ۱۶)

پس اس زمانہ کے لوگوں کو میں کس سے تشبیہہ دوں وہ ان لڑکوں کی مانند ہیں جو بازاروں میں بیٹھے ہوئے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہتے ہیں۔ ہم نے تمھارے لئے بانسری بجائی اور تم نہ ناچے۔ ہم نے ماتم کیا اور تم نہیں روئے

خدا کا داعی خدا کے سمندر میں نہاتا ہے۔ اس طرح اس کے لئے ممکن ہوتا ہے کہ وہ خدا کی دنیا میں خدا کے گیت گائے۔ وہ فطرت کے ساز پر خدا کے ابدی نغمے چھیڑے۔ ان نغمات میں ایک طرف خدا کے حسن و کمال کی تجلیاں ہوتی ہیں جن کا تقاضا ہوتا ہے کہ ان کو سن کر آدمی رقص کر اٹھے۔ دوسری طرف ان نغمات میں خدا کی پکڑ کی تنبیہات ہوتی ہیں جو ایک حساس انسان کو تڑپا کر اسے رلا دیں۔ داعی خدا کے جمال و جلال کا مظہر ہوتا ہے۔ مگر انسان اتنا غافل ہے کہ وہ ان چیزوں سے کوئی اثر نہیں لیتا۔ داعی کے کلام کی صورت میں خدا بالکل اس کے قریب آجاتا ہے۔ مگر اس وقت بھی وہ خدا کو نہیں پاتا۔ اس میں نہ حمد خداوندی کی کیفیات جاگتیں اور نہ خوف خدا سے اس کی آنکھیں تر ہوتیں۔ وہ نازک ترین پیغامات کو بھی پتھر کی طرح سنتا ہے نہ کہ اس انسان کی طرح جس کو خدا نے وہ عقل دی ہے جو باتوں کی گہرائی کو پالے اور وہ دل دیا ہے جو درد سے تڑپ اٹھے۔

خدا کی طرف سے ایک پکارنے والے کا وجود میں آنا کسی مشین پر بجنے والے ریکارڈ کا وجود میں آنا نہیں ہے۔ یہ روح انسانی میں ایک ایسے انقلاب کا برپا ہونا ہے جس کی شدت آتش فشاں پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے۔ داعی کا بولنا اپنے جگر کے ٹکڑوں کو باہر لانا ہوتا ہے۔ اس کا لکھنا اپنے خون کو سیاہی بنانے کے بعد وجود میں آتا ہے۔ اس کے نغمے محض نغمے نہیں ہوتے بلکہ روح انسانی میں ایک خدائی بھونچال کی آواز ہوتے ہیں۔

مگر اس دنیا کا شاید یہ سب سے زیادہ عجیب واقعہ ہے کہ ایسے ربانی کلمات بھی انسان کو متاثر نہیں کرتے۔ داعی اپنے پورے وجود کے ساتھ اس کے سامنے "نذیر عریاں" بن جاتا ہے، اس کے باوجود وہ اندھا بہرا بنا رہتا ہے۔ انسان کے سامنے جنت کی کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں پھر بھی وہ وجد میں نہیں آتا۔ اس کو بھڑکتے ہوئے جہنم کا نقشہ دکھایا جاتا ہے پھر بھی اس پر گریہ طاری نہیں ہوتا۔ اس کے سامنے خدا خود آکر کھڑا ہو جاتا ہے پھر بھی وہ سجدہ میں نہیں گرتا۔ انسان سے زیادہ نازک مخلوق خدا نے کوئی نہیں بنائی مگر انسان سے زیادہ بے حسی کا ثبوت بھی کوئی نہیں دیتا۔

شیر کا سبق

جم کاربٹ (Jim Corbett) شیر کے مطالعہ کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے نام پر ہندوستان میں حیوانات کا ایک پارک بنا ہوا ہے۔ جم کاربٹ نے لکھا ہے کہ کوئی شیر کسی آدمی پر اس وقت تک حملہ نہیں کرتا جب تک کہ اس کو اپنی طرف سے کوئی کارروائی کرکے بھڑکا نہ دیا جائے:

No tiger attacks a human being unless proveked

جو لوگ جنگل کے علاقوں میں رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر کبھی ان کا سابقہ شیر سے پڑ جائے تو اس میں خطرہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ شیر اپنا راستہ چلتا ہوا گزر جائے گا بشرطیکہ اس کو چھیڑا نہ جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیر اپنی فطرت کے اعتبار سے انسان دشمن جانور نہیں۔ شیر کے لئے "مردم خور" کا لفظ صرف اتفاقی معنی میں صحیح ہے۔ شیر پیدائشی طور پر مردم خور نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض نادان انسانوں کی کارروائیاں کسی شیر کو مردم خور بنا دیتی ہیں۔ کسی شیر کو مردم خور بنانے والے اکثر وہ غیر ماہر شکاری ہوتے ہیں جو کافی تیقن کے بغیر شیر کے اوپر اپنا کارتوس خالی کر دیتے ہیں۔ وہ شیر مارنے کے شوق میں شیر پر گولی چلاتے ہیں۔ مگر کافی مہارت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی گولی صحیح نشانہ پر نہیں پڑتی اور اچٹتی ہوئی نکل جاتی ہے۔ شیر معمولی طور پر زخمی ہو جاتا ہے مگر وہ مرتا نہیں۔ اس قسم کا زخم خوردہ شیر انسان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی انسانی صورت کو دیکھتا ہے اس کو اپنا دشمن سمجھ لیتا ہے اور اس پر حملہ کرکے اسے ختم کر دیتا ہے۔ یہی حال اکثر درندہ جانوروں کا ہے۔

اس مثال میں ہمارے لئے دو بہت بڑے سبق ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کو پیشگی طور پر اپنا "دشمن" سمجھ لینا درست نہیں۔ حتیٰ کہ ایک درندہ صفت انسان کو بھی نہیں۔ کوئی شخص اسی سے دشمنانہ معاملہ کرتا ہے جس کو وہ اپنا دشمن سمجھ لے۔ اگر ہم اپنے کو دشمن ظاہر نہ کریں تو دوسرا بھی ہم سے دشمن کا سلوک نہیں کرے گا۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ ناکافی تیاری کے بغیر کبھی کسی کے خلاف کارروائی نہیں کرنا چاہئے۔ اگر آپ اپنے حریف پر ایسے اقدامات کریں جو کافی تیاری کے بغیر کئے گئے ہوں اور اس بنا پر وہ فیصلہ کن نہ بن سکیں تو ایسا اقدام آپ کے حریف کو پہلے سے زیادہ مشتعل کرکے آپ کے مسئلہ کو اور زیادہ سنگین بنا دے گا۔

ہر شخص خود اپنے اندرونی تقاضے کے تحت اپنی ضرورتوں کی تکمیل میں مشغول رہتا ہے اور اگر ضرورتیں پوری ہو جائیں تو ہوس کی تکمیل میں۔ یہ ایک قدرتی انتظام ہے جو لوگوں کو ایک دوسرے سے روکے رہتا ہے۔ آپ دوسرے کو نہ چھیڑئے اور آپ دوسرے کے ظلم سے محفوظ رہیں گے۔ کیوں کہ یہاں ہر ایک اپنے آپ میں اتنا مشغول ہے کہ اس کو دوسرے کے خلاف سوچنے کی فرصت نہیں۔

غلطی مان لینے سے

ایک پریس نے ایک مرتبہ ایک بڑے ادارہ کی کتاب چھاپی۔ کتاب کی
کرادر مکمل ہوکر ادارہ میں پہنچی تو اس کے بعد ادارہ کے منیجر کا ٹیلی فون آیا۔ وہ کہ
پریس کا مالک پہنچا تو ادارہ کا منیجر اس کے اوپر برس پڑا۔ اس نے مطبوعہ کتاب ۔
اس کی کٹنگ کتنی غلط ہوئی ہے"۔ پریس کے مالک نے دیکھا تو واقعی کٹنگ ترچھی ہوگ
زیادہ نکلا ہوا تھا۔ پریس کے مالک نے دیکھا اور خاموش رہا۔ دوسری طرف ادا
آخر جب وہ اپنے تمام الفاظ ختم کر چکا تو پریس کے مالک نے سنجیدگی کے ساتھ کہا
"آپ کیوں اس قدر پریشان ہیں نقصان تو ہمارا ہوا ہے، ہم کو پہ
"کیا مطلب، آپ کا نقصان کیسا "
"ظاہر ہے کہ اس حالت میں میں آپ کو کتاب نہیں دے سکتا۔ اس کو تو
آپ کو دوسری کتاب چھاپ کر دوں گا۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ خواہ مجھے کتنا ہی
پریس کے مالک کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ ادارہ کے منیج
بگڑے ہوئے انداز میں بول رہا تھا اب اس کا رویہ ہمدردانہ ہوگیا۔ کیونکہ پریس و
کے منیجر کو عام رواج کے مطابق اس کی امید نہیں تھی۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ وہ
پوری تلافی کرنے کے لئے تیار ہے تو اس کا متاثر ہونا بالکل فطری تھا۔
"نہیں آپ اتنا نقصان کیوں برداشت کریں" اس نے اپنا انداز بد
دیکھا کہ منیجر کا دل نرم پڑ چکا ہے تو اس نے منیجر سے کہا: ایک شکل سمجھ میں آتی ہے
کوشش کرتا ہوں۔ اگر کامیابی ہوگئی تو دوبارہ چھپوانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ منیجر
کوشش کیجئے۔ اس کے بعد پریس کا مالک کتاب کے دس نسخے لے کر واپس آگیا۔
کتاب کے چاروں کونے دوبارہ صحیح کرائے۔ اب پریس کا مالک اس کو لے کر ادا
کر خوش ہوگیا۔ اس نے کہا، بالکل ٹھیک ہے، اسی طرح آپ سب کتابیں درست ک
"گاہک کی نظر میں جو غلطی ایک انچ کی ہوتی ہے اس کو میں ایک فٹ ۔
ریس کے مالک نے کہا" یہ درحقیقت کسی کاروبار میں کامیابی کے لئے بے حد ا
ا ہک کو ہر چیز پر راضی کر سکتے ہیں "۔ بلکہ میرا تو یہ حال ہے"، پریس کے مالک نے مزی
ر وہ میری نظر میں آجاتی ہے تو میں خود ہی گاہک کو بتا دیتا ہوں کہ مجھ سے فلاں غلطی ہو
س کے لئے تیار رہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گاہک کو ہمدردی ہو جاتی ہے۔ اور بغیہ

تنگی میں وسعت

ایک آدمی نے شہر میں عینک کی دکان کھولی۔ عینک بیچنے والوں کو اپنے گاہکوں کی سہولت کے لئے آنکھ کے ٹسٹ کا انتظام بھی کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ آدمی ایک ہی جگہ اپنی آنکھوں کی جانچ کرائے اور وہیں سے عینک بھی لے لے۔ مگر اس آدمی کی دکان ٹسٹ کی ضرورت کے لئے چھوٹی تھی۔ آنکھ کے ٹسٹ میں دور کی نگاہ جانچنے کے لئے اصولاً ۱۸ فٹ کے فاصلہ سے پڑھوایا جاتا ہے، جب کہ اس دکان میں صرف اس کے نصف کے بقدر گنجائش تھی۔ یعنی گاہک کو بٹھانے کی جگہ سے لے کر دیوار تک کا فاصلہ بمشکل ۹ فٹ بنتا تھا۔

"نو فٹ کو شیشہ لگا کر اٹھارہ فٹ کرلیں گے" دکان دار نے اپنے دوست کے سوال کے جواب میں کہا۔ دوست نے اس سے پوچھا تھا کہ تم اتنی چھوٹی دکان میں آنکھوں کے ٹسٹ کا انتظام کیسے کروگے۔ دکان دار نے بتایا کہ پڑھانے والے حروف کا چارٹ جس دیوار پر لٹکا ہو، اس کے بالکل سامنے دوسری دیوار پر اگر آئینہ لگا دیا جائے اور ٹسٹ کرانے والے کو اصل چارٹ کے بجائے آئینہ کے عکس میں پڑھوایا جائے تو پڑھنے والے شخص اور پڑھی جانے والی چیز کے درمیان کا فاصلہ خود بخود دگنا ہو جاتا ہے۔ آدمی کی نگاہ پہلے ۹ فٹ کا فاصلہ طے کرکے آئینہ کو دیکھتی ہے۔ پھر آئینہ کی مدد سے اس کی نگاہ مزید ۹ فٹ کا فاصلہ طے کرکے چارٹ تک پہنچتی ہے۔ اس طرح کل اٹھارہ فٹ ہو جاتے ہیں۔ دکان دار نے ایسا ہی کیا۔ چھوٹی دکان کے باوجود اس کے یہاں آنکھوں کے ٹسٹ کا ویسا ہی انتظام ہو گیا جیسا بڑی دکانوں میں ہوتا ہے۔

یہی اصول زندگی کے ہر معاملہ میں چسپاں ہوتا ہے۔ آپ کے مواقع اگر کم ہوں، آپ کے لئے پھیلنے کا دائرہ تنگ ہو تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنی عقل کو استعمال کرکے اپنے "نو فٹ" کو "اٹھارہ فٹ" بنا سکتے ہیں۔

آپ کا مکان چھوٹا ہو تو دو منزلہ بنا کر اس کو وسیع کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس سرمایہ کم ہو تو دیانت داری کا ثبوت دے کر اس کی تلافی کر سکتے ہیں۔ آپ کی ڈگری چھوٹی ہو تو خوش اخلاقی کے ذریعہ اس کو زیادہ کارآمد بنا سکتے ہیں لڑ کر آپ کے لئے جیتنے کے مواقع نہیں ہیں تو حکمت کا طریقہ اختیار کرکے اپنے حریف کو قابو میں لا سکتے ہیں۔ سیاسی اقتدار میں آپ کو کم حصہ ملا ہے تو اقتصادی میدان میں ترقی کرکے اپنے آپ کو آگے لے جا سکتے ہیں۔ تعداد کے اعتبار سے اگر آپ اقلیت میں ہیں تو اتحاد اور تنظیم میں اضافہ کرکے آپ اکثریت کی برابری کر سکتے ہیں۔

ہر چھوٹی "دکان" بڑی دکان بن سکتی ہے۔ کوئی دکان اسی وقت تک چھوٹی ہے جب تک دکان دار نے اس کو بڑھانے والی حکمت کو استعمال نہ کیا ہو۔ بڑھانے والی حکمت کو استعمال کرنے کے بعد اس دنیا میں کوئی دکان چھوٹی دکان نہیں۔

سب سے بڑی ضمانت

لارڈ ولیم وینٹک انیسویں صدی کے ربع ثانی (۱۸۳۵-۱۸۲۸) میں ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔ انھوں نے ایک بار حکم دے دیا تھا کہ تاج محل کو گرا دیا جائے مگر عملاً وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کا انکشاف ۷ فروری ۱۹۰۰ کو اس وقت کے وائسرائے لارڈ کرزن نے کیا تھا۔ لارڈ کرزن نے کلکتہ کے ایک جلسہ عام میں کہا کہ ان دنوں ایسٹ انڈیا کمپنی کی اقتصادی حالت خراب ہو گئی تھی۔ کمپنی کو اقتصادی بحران سے نکالنے کے لئے سابق برطانوی گورنر جنرل (لارڈ وینٹک) نے چاہا کہ تاج محل کے سنگ مرمر کو فروخت کر دیں۔ اس سے ان کو اس زمانہ میں ایک لاکھ روپیہ حاصل ہونے کی امید تھی۔ جب یہ خبر پھیلی تو لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ اب لارڈ وینٹک بگڑ گئے اور انھوں نے غصہ میں آکر یہ حکم دیا کہ تاج محل کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا جائے۔ ان کے اس حکم کے بعد عوام کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی۔ ہندو اور مسلمان دونوں نے مل کر شدید احتجاج کیا۔ حتیٰ کہ یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اگر تاج محل کو گرایا گیا تو عوامی بغاوت پیدا ہو جائے گی۔ لارڈ وینٹک کے مشیروں نے ان کو صورت حال کی نزاکت بتائی۔ چنانچہ انھوں نے اپنا حکم واپس لے لیا (نوبھارت ٹائمز ۱۸ جون ۱۹۶۹)

"تاج محل کو عوام نے نہیں بچایا" اس خبر کو پڑھ کر ایک شخص نے کہا "بلکہ تاج محل کو اس کے اپنے حسن نے بچایا۔ تاج اگر اتنا حسین نہ ہوتا تو برطانوی اقتدار کے مقابلہ میں اس کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی اتنی بڑی حمایت حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔"

عمارت کا یہی انجام اس کے معماروں کے لئے بھی مقدر تھا۔ مگر افسوس کہ معمار اپنے اندر وہ "حسن" پیدا نہ کر سکے جو انھوں نے سنگ مرمر کے خاموش مجموعہ میں اپنی مہارت سے پیدا کر دیا تھا۔

آدمی کے اندر کوئی خوبی ہو تو یہ خوبی ہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی ضمانت ہوتی ہے۔ وہ دشمنوں میں بھی اپنے دوست پا لیتا ہے۔ اغیار کی صفوں میں بھی اس کو اپنے قدرداں مل جاتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی کے اندر کوئی واقعی خوبی ہو، اس کے باوجود دنیا میں اس کا اعتراف نہ کیا جائے۔

تاہم اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی کا یہ حسن سانپ کا حسن نہ ہو۔ ایک سانپ خواہ وہ کتنا ہی حسین ہو آدمی اس سے محبت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جس آدمی کا حال یہ ہو کہ اس کے اندر ایک خوبی تو ہو مگر اسی کے ساتھ اس کی زبان میں "ڈنک" ہو، وہ لوگوں کے سیاسی اور معاشی مفادات کو چیلنج کرنے لگے، وہ لوگوں کے ساتھ تعلقات میں بار بار جارحیت پر اتر آتا ہو، وہ اپنی جذباتی کارروائیوں سے لوگوں کو اپنا مخالف بنا لے۔ ایسا آدمی خواہ وہ کتنا ہی زیادہ خوبیوں والا ہو، لوگوں کا محبوب نہیں بن سکتا۔

تاج محل لوگوں کا محبوب اسی وقت بنتا ہے جب کہ وہ خاموش حسن میں ڈھل جائے۔ اگر وہ جارح حسن کا نمونہ ہو تو ایسے تاج محل کو کوئی نہیں بخشے گا۔

آسانی ہمیشہ مشکلوں کے بعد آتی ہے

گرمیوں کے موسم میں گرد و غبار سے بھری ہوئی آندھی جب اٹھتی ہے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصیبت کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر روس کے ماہرین موسمیات نے قراقرم کے ریگستانوں میں تحقیقات کے بعد بتایا ہے کہ گرد بھری ہوئی آندھیاں زمین پر موسم کی سختی کو کنٹرول کرنے کا ایک قدرتی ذریعہ ہیں۔ جب آندھیاں چلتی ہیں تو ان کی وجہ سے گرد اٹھ کر اوپر چھا جاتی ہے اور فضا میں ایک غلاف کی صورت بنا لیتی ہے۔ اس طرح یہ آندھیاں زمین کی سطح کو گرمی کی تپش سے محفوظ رکھتی ہیں۔ روسی سائنس دانوں نے مختلف آلات اور جہازوں کا استعمال کر کے آندھیوں کی خصوصیات کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سخت گرمی کے دنوں میں بھی ریگستان کی تپتی ہوئی سطح اس وقت ٹھنڈی ہو جاتی ہے جب گرد سے بھری ہوئی آندھیاں چلنا شروع ہوتی ہیں۔ گرد کے یہ سایہ دار بادل محدود فضا میں بھی چھا سکتے ہیں اور کافی دور تک بھی، جیسے عرب سے جنوبی امریکا تک اور وسط ایشیا سے بحر آرکٹک تک۔

قدرت کا نظام کچھ اس طرح بنا ہے کہ ہر مفید واقعہ کسی پُر مشقت عمل کے بعد ظہور میں آتا ہے۔ یہ ایک سبق ہے جو بتاتا ہے کہ ہم جب اپنی زندگی کے بارے میں کوئی منصوبہ بنائیں تو اس حقیقت کو بھی ضرور سامنے رکھیں کہ مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو جد و جہد کے پُر مشقت دور سے گزرنا ہوگا۔ موجودہ دنیا کو اس کے بنانے والے نے اسی ڈھنگ پر بنایا ہے۔ اور اس سے مطابقت کر کے ہی ہم کوئی مفید نتیجہ برآمد کر سکتے ہیں۔ اگر ہم یہ چاہیں کہ ہم کو "آندھی" کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اس کے بغیر ہی ہمارے سروں پر ٹھنڈا بادل سایہ کرے تو ایسے نتیجہ کو پانے کے لئے ہمیں دوسری کائنات بنانی پڑے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر حالات میں ناکامی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی فوراً کامیابی چاہتا ہے۔ "مختصر راستہ" کا لفظ سڑکوں اور پگڈنڈیوں کی دنیا کے لئے صحیح ہے مگر زندگی کی جد و جہد میں "مختصر راستہ" کی قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ سورت میں ہیرے کی ایک دکان ہے جو دوسری منزل پر ہے۔ ایک نوجوان اس دکان میں داخل ہوا۔ اس نے ایک ہیرا چرا لیا اور اس کو لے کر باہر نکل جانا چاہا۔ مگر دکان کے آدمیوں کو شبہ ہو گیا۔ انھوں نے فوراً سیڑھی کا دروازہ بند کر دیا اور نوجوان سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ نوجوان نے دیکھا کہ سیڑھی کے راستہ سے بھاگنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ وہ تیزی سے قریب کی کھڑکی میں داخل ہوا اور وہاں سے نیچے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ بظاہر اس نے بھاگ نکلنے کے لئے چھلانگ لگائی تھی۔ مگر دوسری منزل سے جب وہ سڑک پر گرا تو اس کو اتنی سخت چوٹ آئی کہ وہ وہیں سڑک پر مر گیا (ٹائمس آف انڈیا ۲۱ جنوری ۱۹۸۰) ـــــ "سیڑھی" کا راستہ اگر کسی کو بند نظر آئے تو وہ "کھڑکی" سے چھلانگ لگا کر سڑک پر نہیں پہنچ سکتا۔ ایسی چھلانگ اس کو جہاں پہنچائے گی وہ قبر ہے نہ کہ سڑک ـــــ بظاہر یہ ایک احمق نوجوان کا قصہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر بہت سے عقل مند لوگ بھی ٹھیک اسی طریقہ کو اپنی زندگی میں دہراتے ہیں اور بالآخر اسی انجام سے دوچار ہوتے ہیں جس سے مذکورہ نوجوان دوچار ہوا۔

اندر اور باہر کا فرق

اپالو — ۸ کے تین خلائی مسافر ۲۷ دسمبر ۱۹۶۸ کو بحرالکاہل میں اترے تھے۔ زمین سے چاند تک کا سفر کرنے میں ان امریکی خلا بازوں کو چھ دن تین گھنٹے لگے اور انھوں نے تقریباً پانچ لاکھ ۷۴ ہزار میل کا سفر طے کیا۔ ان کے سفر کا سب سے زیادہ نازک لمحہ وہ تھا جب کہ ان کا چھ ٹن وزنی جہاز ساٹھ میل کے فاصلہ سے چاند کا چکر لگا کر دوبارہ زمین کے قریب واپس پہنچا۔

امریکی راکٹ جب زمین کی بیرونی فضا میں داخل ہوا تو زمین کی کشش کی وجہ سے اس کی رفتار غیر معمولی طور پر بڑھ کر ۳۹ ہزار کیلومیٹر فی گھنٹہ ہوگئی۔ چاند کے مقابلہ میں اس کو سات گنا زیادہ قوت کشش کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھنا تھا۔ اس غیر معمولی رفتار کی وجہ سے خلائی جہاز انتہائی خوفناک قسم کی گرمی سے دوچار ہوا۔ کرۂ فضا میں داخل ہوتے ہی خلائی جہاز ہوا کی رگڑ سے گرم ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ وہ آگ کے انگارے کی طرح سرخ ہوگیا۔ اس وقت خلائی جہاز کے بیرونی حصہ کی تپش تین ہزار تین سو سنٹی گریڈ (۶ ہزار ڈگری فارن ہائٹ) تھی، جب کہ صرف سو ڈگری کی حرارت پر پانی ابلنے لگتا ہے۔

تین ہزار تین سو ڈگری سنٹی گریڈ کی حرارت میں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ پھر اس غیر معمولی تپش میں تینوں خلائی مسافر کس طرح زندہ سلامت رہ کر واپس آگئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس خلائی جہاز کے اندر وہ بند تھے، وہ خاص طور پر اس ڈھنگ سے بنایا گیا تھا کہ وہ باہر کی شدت کو اندر نہ پہنچنے دے۔ چنانچہ سخت ترین گرمی کے باوجود اس کے اندر کا درجہ حرارت ۲۱ ڈگری سنٹی گریڈ سے آگے نہیں بڑھا۔ باہر کا درجۂ حرارت تین ہزار تین سو اور اندر کا درجۂ حرارت صرف ۲۱۔

خلائی سفر کا یہ واقعہ اپنے اندر بڑا سبق رکھتا ہے۔ انسانی زندگی میں بھی بار بار ایسے سخت مرحلے آتے ہیں جب بیرونی ماحول انتہائی طور پر آپ کے خلاف ہو جاتا ہے۔ اس وقت حالات کی شدت سے بچنے کی صرف ایک سبیل ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ اپنے اندرونی جذبات کو دبائیں اور اپنے احساسات پر قابو رکھتے ہوئے اس کو معتدل حالت پر قائم رکھیں۔ اگر ایسا ہو کہ آپ کے "اندر" بھی شدت کا وہی حال ہو جائے جو آپ کے "باہر" ہے تو آپ اپنے کو تباہ کر لیں گے۔ اس کے برعکس اگر اندر کی شدت باہر سے غیر متاثر رہ کر اعتدال کی حالت پر قائم رہے تو آپ باہر کی "آگ" سے محفوظ رہیں گے اور بالآخر سلامتی کے ساتھ کامیابی کی منزل پر پہنچ جائیں گے۔

زندگی کا راز یہ ہے کہ آپ کے باہر اگر آپ کے خلاف نفرت اور بغض پایا جاتا ہو تو آپ اس نفرت اور بغض کو اپنے اندر داخل نہ کریں۔ بلکہ اپنے کو قابو میں رکھ کر اپنے اندر محبت اور درگزر کے جذبات کی پرورش کریں۔ باہر کی دنیا آپ کے ساتھ برائی کا معاملہ کرے تو آپ بھلائی کی صورت میں اس کا جواب دیں۔ یہی طریقہ زندگی اور کامیابی کا طریقہ ہے۔ اگر آپ بھی ویسے ہی ہو گئے جیسا ماحول تھا تو یقیناً آپ مقابلہ کی اس دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اپنی کمیوں کو جانئے

وہ بڑھاپے کی منزل میں تھا۔ مگر اس نے شادی نہیں کی تھی، اس لئے کہ اس کو ایک آئیڈیل رفیقۂ حیات کی تلاش تھی۔ لوگوں نے پوچھا: کیا آپ کو زندگی بھر کوئی ایسی خاتون نہیں ملی جو آئیڈیل رفیقۂ حیات بن سکتی ہو۔ اس نے جواب دیا: ایک خاتون ایسی ملی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ وہ بھی اپنے لئے ایک آئیڈیل شوہر تلاش کر رہی تھی۔ اور بدقسمتی سے میں اس کے معیار پر پورا نہ اتر سکا۔

لوگ عام طور پر دوسروں کی کمیوں کو جاننے کے ماہر ہوتے ہیں اس لئے ان کا کسی سے نباہ نہیں ہوتا۔ اگر آدمی اپنی کمیوں کو جان لے تو اس کو معلوم ہو کہ وہ بھی اسی بشری مقام پر ہے جہاں وہ دوسرے کو کھڑا ہوا پاتا ہے۔ اپنی کمیوں کا احساس آدمی کے اندر تواضع اور اتحاد کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ صرف دوسروں کی کمیوں کو جانتا ہو تو اس کے اندر گھمنڈ پیدا ہوگا اور کسی سے نباہ کرنا اس کے لئے مشکل ہو جائے گا۔

نفسیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ کسی ایک آدمی میں ساری خصوصیات جمع نہیں ہوتیں۔ کسی میں کوئی خصوصیت ہوتی ہے اور کسی میں کوئی خصوصیت۔ پھر جس شخص میں کوئی ایک خصوصیت ہوتی ہے اس کے اندر اسی نسبت سے کچھ اور خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو گویا اس خصوصیت کا ضمنی نتیجہ ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص اگر بہادر ہے تو اسی نسبت سے اس کے اندر شدت ہوگی۔ ایک شخص شریف ہے تو اسی نسبت سے اس کے اندر نرمی ہوگی۔ ایک شخص حساس ہے تو اسی نسبت سے اس کے اندر غصہ ہوگا۔ ایک شخص ذہین ہے تو اسی نسبت سے اس کے اندر تنقیدی مادہ ہوگا۔ ایک شخص عملی صلاحیت زیادہ رکھتا ہے تو اسی نسبت سے اس کے اندر فکری استعداد کم ہوگی۔ وغیرہ

ایسی حالت میں قابل عمل بات صرف ایک ہے۔ ہم جس شخص کے "روشن پہلو" سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں اس کے "تاریک پہلو" کو نظر انداز کریں۔ یہی واحد تدبیر ہے جس سے ہم کسی کی صلاحیتوں کو اپنے لئے کار آمد بنا سکتے ہیں۔ میاں بیوی کے تعلقات ہوں یا مالک اور ملازم کے تعلقات یا دکان دار اور شرکت دار کے تعلقات ہر جگہ اسی اصول کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم کو "پھول" لینا ہے تو ہم کو "کانٹے" کو بھی برداشت کرنا ہوگا۔ جس کے اندر کانٹے کی برداشت نہ ہو اس کے لئے اس دنیا میں پھول کا مالک بننا بھی مقدر نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تنہا آدمی کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا۔ بڑا کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مطلوبہ کام کی پشت پر کئی آدمیوں کی صلاحیتیں ہوں۔ اسی ضرورت نے مشترک سرمایہ کی کمپنیوں کا تصور پیدا کیا ہے۔ لیکن کئی آدمیوں کا مل کر کسی مقصد کی تکمیل کے لئے جد و جہد کرنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کے افراد میں صبر اور وسعت ظرف کا مادہ ہو۔ وہ ایک دوسرے کو برداشت کریں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے نہ الجھیں۔ وہ ناخوش گوار باتوں کو یاد رکھنے کے بجائے ناخوش گوار باتوں کو بھلانے کی کوشش کریں۔ معیار پسندی بہت اچھی چیز ہے مگر جب معیار کا حصول ممکن نہ ہو تو حقیقت پسندی سب سے بہتر طریق عمل ہوتا ہے۔

بامقصد زندگی

اکسپرس ٹرین پوری رفتار سے اپنی منزل کی طرف بھاگی چلی جارہی ہے۔ راستہ میں دونوں طرف سرسبز کھیتوں اور ڈبڈبائے ہوئے نالوں اور ندیوں کا مسلسل منظر اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مگر تیز دوڑتی ہوئی ٹرین کو ان خوش نما مناظر سے کوئی دلچسپی نہیں۔ پستی اور بلندی، خشکی اور پانی اس کی رفتار میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتے۔ راستہ میں چھوٹے چھوٹے اسٹیشن آتے ہیں مگر وہ ان کو چھوڑتی ہوئی اس طرح بھاگی چلی جاتی ہے گویا اسے کہیں ٹھہرنا نہیں ہے۔

بامقصد زندگی کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ جس آدمی نے اپنی زندگی کا ایک مقصد بنا رکھا ہو، اس کی ساری توجہ اپنے مقصد پر لگ جاتی ہے، اِدھر اُدھر کے مسائل میں وہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔

بامقصد زندگی گزارنے والا آدمی ایک ایسے مسافر کی طرح ہوتا ہے جو اپنا ایک ایک لمحہ اپنی منزل کی طرف بڑھنے میں لگا دینا چاہتا ہے۔ دنیا کے خوش نما مناظر ایسے مسافر کو لبھانے کے لئے سامنے آتے ہیں، مگر وہ ان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ سائے اور اقامت گاہیں اس کو ٹھہرنے اور آرام کرنے کی ترغیب دیتی ہیں مگر وہ ان کو چھوڑتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ دوسری دوسری چیزوں کے تقاضے اس کا راستہ روکتے ہیں مگر وہ ہر ایک سے دامن بچاتا ہوا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز اس سے ٹکراتے ہیں مگر اس کے باوجود اس کے عزم اور اس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بامقصد آدمی کی زندگی ایک بھٹکے ہوئے آدمی کی مانند نہیں ہوتی جو سمت سفر متعین نہ ہونے کی وجہ سے کبھی ایک طرف چلنے لگتا ہے اور کبھی دوسری طرف۔ بلکہ اس کے ذہن میں راستہ اور منزل کا واضح شعور ہوتا ہے اس کے سامنے ایک متعین نشانہ ہوتا ہے۔ ایسا آدمی کیسے کہیں رک سکتا ہے۔ کیسے وہ دوسری چیزوں میں الجھ کر اپنا وقت ضائع کرنے کو پسند کر سکتا ہے۔ اس کو تو ہر طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر ایک متعین رخ پر بڑھنا ہے اور بڑھتے رہنا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مقصد کو پالے، یہاں تک کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے۔

زندگی کو بامعنی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے سامنے ایک سوچا ہوا نشانہ ہو۔ جس کی صداقت پر اس کا ذہن مطمئن ہو۔ جس کے سلسلے میں اس کا ضمیر پوری طرح اس کا ساتھ دے رہا ہو، جو اس کی رگ و پے میں خون کی طرح اترا ہوا ہو۔ یہی مقصدی نشانہ کسی انسان کو جانوروں سے الگ کرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ اور جس آدمی کے اندر مقصدیت آجائے اس کی زندگی لازماً ایک اور زندگی بن جائے گی۔ وہ چھوٹی چھوٹی غیر متعلق باتوں میں الجھنے کے بجائے اپنی منزل پر نظر رکھے گا۔ وہ یک سوئی کے ساتھ اپنے مقررہ نشانہ پر چلتا رہے گا یہاں تک کہ منزل پر پہنچ جائے گا۔

خود جاننا پڑتا ہے

پچاس سال پہلے دیا سلائی اور لائٹر کا رواج نہیں تھا۔ دیہات کے لوگ ایک دوسرے کے گھروں سے آگ مانگ کر اپنا چولھا گرم کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک خاتون اپنے پڑوسی کے گھر گئیں اور پوچھا کہ کیا آگ ہے۔ پڑوسی خاتون بولیں "ہاں بہن، طاق پر رکھی ہے" یہ خاتون بڑھاپے کی وجہ سے بہت کم سنتی تھیں۔ اس بنا پر ان کے لئے اس غیر متعلق جواب کا عذر تھا۔ مگر بہت سے لوگ جن کے آنکھ اور کان پوری طرح درست ہوتے ہیں وہ بھی اکثر اس سے زیادہ مختلف ثابت نہیں ہوتے۔

جنرل جے این چودھری نے جنوری ۱۹۷۱ میں "قومی تحفظات کے مسائل" پر لکچر دیتے ہوئے کہا تھا کہ دفاع میں خبر رسانی (انٹے لی جنس) کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ واقعہ سے پہلے صحیح علم ضروری ہے تاکہ دشمن کی چال کو ذمہ دار لوگ اچھی طرح سمجھیں اور جو فیصلہ کریں خوب سمجھ کر کریں۔ انٹے لی جنس کی سروس کا بہتر نہ ہونا بہت خطرناک ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے انٹے لی جنس کی ناکردگی کی ایک دلچسپ مثال دی۔ انھوں نے بتایا کہ ۱۹۶۱ میں جب ہندوستان نے گوا میں فوجی کارروائی کی تو اس کے دوران جنوبی کمان سے وائرلیس پر پوچھا گیا کہ کیا پرتگالیوں کے پاس آرمرڈ کار اور ٹینک ہیں۔ وہاں سے جواب آیا —— "ٹینک تو ٹھیک ہیں، مگر ان میں صرف پندرہ ہزار گیلن پانی کی گنجائش ہے"۔ سوال جنگی ٹینک کے بارے میں تھا اور جواب پانی کے ٹینک کے بارے میں ملا۔

کوئی اجتماعی کام اسی وقت صحیح طور پر انجام پاتا ہے جب کہ اس سے متعلق تمام لوگ اپنے حصہ کا کام ٹھیک ٹھیک انجام دے رہے ہوں۔ اجتماعی کام ہمیشہ مشترک ذمہ داری پر ہوتا ہے۔ اگر ہر ایک اپنی انفرادی ذمہ داری کو ٹھیک ٹھیک ادا کر رہا ہو تو گاڑی کامیابی کے ساتھ چلتی رہے گی۔ اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے حصہ کا کام کرنے میں کوتاہی کی تو وہیں گاڑی ٹھپ ہو جائے گی۔ کیونکہ کوئی شخص دوسرے کے حصہ کا کام نہیں کر سکتا۔

نیز یہ کہ ہر بات بتائی نہیں جا سکتی۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو متعلقہ شخص کو خود جاننا پڑتا ہے۔ ہر شخص کو اتنا ذمہ دار اور باشعور ہونا چاہئے کہ وہ بتائے بغیر یہ جان لے کہ کسی معاملہ میں اس کو کس قسم کا حصہ ادا کرنا ہے یا کسی وقت خاص میں اجتماعیت اس سے کسی چیز کا تقاضا کر رہی ہے۔ گویا ایک فوجی افسر جب اپنے ساتھی سے "ٹینک" کے بارے میں پوچھے تو ساتھی کو وضاحت کے بغیر یہ جاننا چاہئے کہ پوچھنے والا جنگی ٹینک کے بارے میں پوچھ رہا ہے نہ کہ پانی کے ٹینک کے بارے میں۔

پہلے مطالعہ کیجئے

مولانا اقبال احمد سہیل (۱۹۵۵ - ۱۸۸۷) میرے چچازاد بھائی تھے۔ غیر معمولی ذہین ہونے کے علاوہ انھوں نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی۔ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں مکمل قدرت رکھتے تھے۔ ان کی قدرت کلام کی صرف ایک مثال۔ یہاں نقل کردوں گا۔ ۱۹۵۰ کے لگ بھگ زمانہ کی بات ہے میرے ساتھیوں کو کسی جلسہ میں اسلامی کتابوں کا اسٹال لگانا تھا اور اس موقع پر وہاں لٹکانے کے لئے ایک انگریزی پوسٹر کی ضرورت تھی۔ اس پوسٹر کا اردو مضمون یہ تھا: اسلامی تحریک کا انقلاب انگیز لٹریچر پڑھئے اور نئی دنیا کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کیجئے۔ یہ مضمون مختلف انگریزی اساتذہ کو ترجمہ کے لئے دیا گیا۔ مگر کسی کے ترجمہ میں اردو فقرہ کا زور نہ آسکا۔ آخر میں نے مولانا اقبال احمد سہیل سے کہا کہ آپ اس کا ترجمہ کردیں۔ انھوں نے جو ترجمہ کیا وہ فوراً پسند کرلیا گیا اور اس کا پوسٹر بنا دیا گیا۔ ان کے ترجمہ کے الفاظ یہ تھے:

Go through the revolutionizing literature of the Islamic movement and play your part in building of a new world

تاہم مولانا موصوف کی تمام بہترین صلاحیتیں شاعری اور وکالت کی نذر ہوکر رہ گئیں۔ ایک بار میں نے مولانا سے کہا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں شاعری میں کہتے ہیں۔ یہ نثر کا زمانہ ہے۔ اگر آپ نثر میں کوئی کتاب تیار کردیں تو زیادہ بہتر ہو۔ انھوں نے جواب دیا تم صحیح کہتے ہو، مگر نثر میں کوئی جان دار چیز لکھنے کے لئے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ مطالعہ کے بغیر اگر میں نثر میں کتاب لکھوں تو ایک پارۂ ادب تو ضرور تیار ہوجائے گا، مگر کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی جس کی علمی قدر و قیمت ہو۔

مولانا اقبال احمد سہیل نے مطالعہ کی کمی کا احساس کرتے ہوئے نثر میں لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر موجودہ زمانہ میں بے شمار لوگ مطالعہ کی کمی کے باوجود پورے جوش و خروش کے ساتھ کتابوں کے مصنف بننے کی کوشش میں مشغول ہیں۔ انھیں خبر نہیں کہ علم کے بغیر جو چیز لکھی جائے وہ صرف اپنی بے علمی کا اشتہار ہوتا ہے اور اگر آدمی کے پاس علم ہو لیکن مطالعہ نہ ہو تب بھی کتاب، لکھنا کچھ کارآمد نہیں۔ کیونکہ ایسا آدمی صرف ایک "پارۂ ادب" تیار کرتا ہے نہ کہ حقیقۃً علمی قدر و قیمت رکھنے والی کوئی چیز۔

مولانا سید سلیمان ندوی (۱۹۵۲ - ۱۸۸۴) کہا کرتے تھے کہ اتنا پڑھو اتنا پڑھو کہ ابلنے لگے، اس کے بعد لکھو۔ یہی بات ہر ایک کے لئے صحیح ہے۔ جو پڑھے بغیر لکھے گا وہ نثر کی زبان میں شاعری کرے گا یا تحریر کے اسلوب میں خطابت۔ اور دونوں ہی علم کی بارگاہ میں بالکل بے قیمت ہیں

سادگی کی اہمیت

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی یادیں (Lord Mountbatten Remembers) کے نام سے بی بی سی نے ایک ڈکومنٹری فلم پیش کی ہے۔ اس میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ برطانیہ کی ملکہ الزبتھ کی شادی جب پرنس فلپ سے ہوئی تو گاندھی جی نے ملکہ الزبتھ کو اس موقع پر ایک تحفہ بھیجا تھا۔ یہ ایک میز پوش تھا جو گاندھی جی کے اپنے ہاتھ سے کاتے ہوئے سوت سے تیار کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بھدی چٹائی کی مانند تھا۔ تاہم ملکہ برطانیہ نے اس کو قبول کر لیا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کہتے ہیں کہ کچھ سال بعد انھوں نے برٹش میوزیم میں گاندھی جی کی یادگاری اشیاء کی نمائش کی تو تلاش کے باوجود ان کو مذکورہ چٹائی نہ مل سکی۔ انھوں نے سوچا کہ شاید حفاظت کے خیال سے اس کو ٹاور آف لندن میں بھیج دیا گیا ہو۔ مگر وہاں بھی اس کا سراغ نہ مل سکا۔ آخر اس کا ذکر ملکہ الزبتھ سے ہوا۔ ملکہ نے اپنا ایک خاص ڈراز کھول کر وہ چٹائی نکالی اور اس کو دیتے ہوئے کہا: آپ نے مجھ سے کیوں نہیں کہا۔ میں نے تو اس کو اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیا تھا تاکہ کسی کا ہاتھ اس کو لگنے نہ پائے (ٹائمس آف انڈیا ۱۱ نومبر ۱۹۸۰)

Oh, why didn't you ask me, I let nobody
else touch that. I keep that myself.

ملکہ برطانیہ نے کھدر کی ایک بھدی چٹائی کو محفوظ رکھنے کا اتنا اہتمام کیوں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے "بھدے پن" میں ان کو تقدس کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

تبلیغی جماعت کے کچھ لوگ لندن گئے۔ وہ اپنے لمبے کرتے، اونچے پائجامہ اور گول ٹوپی میں بظاہر وہاں عجیب سے معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس کے باوجود انگریز ان کا بہت ادب کرتے تھے۔ ایک بار ان لوگوں نے کسی پارک میں نماز پڑھی۔ وہ نماز پڑھ کر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انگریز آیا اور ان کی پیٹھ پر اپنے دونوں ہاتھ پھیر کر اپنے ہاتھوں کو چوم لیا۔ ایک شخص نے پوچھا: تم ان لوگوں کا اتنا احترام کیوں کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا: یہ لوگ اپنے اس حلیہ میں ہم کو عیسیٰ اور موسیٰ کی طرح دکھائی دیتے ہیں:

They are just like Jesus and Moses

فیشن اور ٹیپ ٹاپ میں اگر شان کا پہلو ہے تو سادگی میں اس سے بھی زیادہ بڑا ایک پہلو ہے اور وہ تقدس ہے۔ سادگی اگر روحانیت کے ساتھ ہو تو وہ دیکھنے والوں کے لئے مقدس چیز بن جاتی ہے اور لوگوں کے حق میں رواجی اہتمام سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ فیشن اور میک اپ کے متعلق ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ بازار سے خریدی ہوئی چیزیں ہیں اس لئے ان کو دیکھ کر کسی کے اوپر غیر معمولی تاثر قائم نہیں ہوتا۔ مگر سادگی کے انداز میں تقدس کا جو پہلو ہے اس کی وجہ سے سادگی کو دیکھ کر فوراً احترام کا جذبہ ابھر آتا ہے، جو یقیناً پہلے جذبہ سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے حالاں کہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔ اور کہے کہ جیسا کلام خدا نے اتارا ہے میں بھی اتاروں گا۔ اور کاش تم اس وقت دیکھو جب کہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ لاؤ اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس سبب سے کہ تم اللہ پر جھوٹی باتیں کہتے تھے۔ اور تم اللہ کی نشانیوں سے تکبر کرتے تھے۔ اور تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آگئے جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اور جو کچھ اسباب ہم نے تم کو دیا تھا سب تم پیچھے چھوڑ آئے۔ اور ہم تمہارے ساتھ ان سفارش والوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارا کام بنانے میں ان کا بھی حصہ ہے۔ تمہارا رشتہ ٹوٹ گیا اور تم سے جاتے رہے وہ دعوے جو تم کرتے تھے ۹۴ - ۹۳

اللہ جب اپنے کسی بندے کو اپنی پکار بلند کرنے کے لئے کھڑا کرتا ہے تو اسی کے ساتھ اس کو خصوصی توفیق بھی عطا کرتا ہے۔ اس کے کردار میں خوف آخرت کی جھلک ہوتی ہے۔ اس کی باتوں میں خدائی استدلال کی طاقت نظر آتی ہے بے پناہ مخالفتوں کے باوجود وہ اپنے پیغام رسانی کے عمل کو اعلیٰ ترین شکل میں جاری رکھنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کی زمین پر خدا کی نشانی ہوتا ہے۔ مگر جن کی نگاہیں دنیوی عظمت کی چیزوں میں گم ہوں وہ آخرت کے داعی کی عظمت کو سمجھ نہیں پاتے۔ حتیٰ کہ ان کے مادی پیمانہ میں ان کی اپنی ذات برتر اور اللہ کے داعی کی ذات کم تر دکھائی دیتی ہے۔ یہ چیز ان کو تکبر میں مبتلا کر دیتی ہے اور جو لوگ تکبر کی نفسیات میں مبتلا ہو جائیں ان سے کوئی بھی نامعقول رویہ مستبعد نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ وہ بھی ویسا ہی کلام تخلیق کر سکتے ہیں جیسا کلام خدا کی طرف سے کسی بندہ پر اترتا ہے ——— وہ خدا کو طلسماتی نشانیوں میں دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے وہ بشری نشانیوں میں ظاہر ہونے والے خدا کو پہچان نہیں پاتے۔

یہ تکبر جو کسی آدمی کے اندر پیدا ہوتا ہے وہ اس دنیوی حیثیت اور مادی سامان کی بنا پر ہوتا ہے جو اس کو دنیا میں ملا ہوا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ اسے حاصل ہے وہ محض آزمائش کے لئے اور متعین مدت تک کے لئے ہے۔ موت کا وقت آتے ہی اچانک یہ تمام چیزیں چھن جائیں گی۔ اس کے بعد آدمی اسی طرح محض ایک تنہا وجود ہوگا جس طرح وہ ابتدائی پیدائش کے وقت ایک تنہا وجود تھا۔ موت کے فوراً بعد ہر آدمی اپنی زندگی کے اس مرحلہ میں پہنچ جاتا ہے جہاں نہ اس کی دولت ہوگی اور نہ اس کی حیثیت، جہاں نہ اس کے ساتھی ہوں گے اور نہ اس کے سفارشی۔ وہ ہوگا اور اس کا خدا ہوگا۔ دنیا میں اس کو جن چیزوں پر ناز تھا ان میں سے کوئی چیز بھی اس دن اس کو خدا کی پکڑ سے بچانے کے لئے موجود نہ ہوگی۔

دنیا میں ہر آدمی الفاظ کے طلسم میں جیتا ہے۔ ہر آدمی اپنے حسب حال ایسے الفاظ تلاش کر لیتا ہے جس میں اس کا وجود بالکل برحق دکھائی دے، اس کا راستہ سیدھا منزل کی طرف جاتا ہوا نظر آئے۔ مگر آخرت کا انقلاب جب حقیقتوں کے پردے پھاڑ دے گا تو لوگوں کے یہ الفاظ اس قدر بے معنی ہو جائیں گے جیسے کہ ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے۔ وہی تمھارا اللہ ہے، پھر تم کدھر بہکے چلے جارہے ہو۔ وہی برآمد کرنے والا ہے صبح کا اور اس نے رات کو سکون کا وقت بنایا اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔ یہ ٹھہرایا ہوا ہے بڑے غلبہ والے کا، بڑے علم والے کا۔ اور وہی ہے جس نے تمھارے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی اور تری کے اندھیروں میں راہ پاؤ۔ بے شک ہم نے دلائل کھول کر بیان کردئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں ۹۷-۹۵

انسان کو جب ایک موٹر کار یا اور کوئی چیز بنانا ہوتا ہے تو وہ اس کے ہر جزء کو الگ الگ بناتا ہے۔ اور پھر اس کے اجزاء کو جوڑ کر مطلوبہ چیز تیار کرتا ہے، مگر خدا جب ایک درخت اگاتا ہے یا ایک انسان پیدا کرتا ہے تو اس کی نوعیت بالکل دوسری ہوتی ہے۔ وہ کسی چیز کو اس کے پورے مجموعہ کے ساتھ بیک وقت برآمد کر دیتا ہے۔ خدائی کارخانہ میں پورا کا پورا درخت یا پورا کا پورا انسان ایک ہی بیج یا ایک ہی بوند سے بتدریج نکل کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ انتہائی انوکھی تکنیک ہے جس پر کسی بھی انسان کو قابو نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں انسان سے برتر ایک ہستی موجود ہے جس کا منصوبہ تمام منصوبوں سے بلند ہے۔

سورج کی جسامت زمین سے بارہ لاکھ گنا زیادہ ہے۔ اور زمین چاند سے چوگنا زیادہ بڑی ہے۔ یہ سب اجرام مسلسل حرکت میں ہیں۔ چاند زمین سے تقریباً ڈھائی لاکھ میل دور رہ کر زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے اور زمین سورج سے تقریباً ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلے پر رہتے ہوئے سورج کے گرد دو طریقہ سے گھوم رہی ہے، ایک اپنے محور پر اور دوسرے سورج کے مدار پر۔ اسی طرح ستاروں کی گردش کا معاملہ ہے جو دہشت ناک حد تک بعید فاصلوں پر حد درجہ باقاعدگی کے ساتھ متحرک ہیں۔ اسی کائناتی تنظیم سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی سے اوقات کا نقشہ مقرر ہوتا ہے۔ اسی سے خشکی اور تری میں انسان کے لئے اپنی زندگی کی ترتیب قائم کرنا ممکن ہوتا ہے۔ یہ اتنا بڑا نظام اتنی صحت کے ساتھ چل رہا ہے کہ ہزاروں سال میں بھی اس کے اندر کوئی فرق نہیں آتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں ایک ایسی ہستی ہے جس کی طاقتیں لامحدود حد تک زیادہ ہیں۔

خدا کی یہ نشانیاں بہت بڑے پیمانہ پر بتا رہی ہیں کہ اس کارخانہ کا بنانے والا بہت بڑے علم والا ہے۔ کوئی بے علم ہستی اتنا بڑا ڈھانچہ قائم نہیں کر سکتی۔ وہ بہت غلبہ والا ہے، اس کے بغیر اتنے بڑے کارخانہ کا اس طرح چلنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس کی منصوبہ بندی انتہائی حد تک کامل ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اتنی بڑی کائنات میں اس قدر معنویت اور ہم آہنگی کا وجود ناممکن ہو جائے۔

خدا کی دنیا خدا کے دلائل سے بھری ہوئی ہے۔ مگر دلیل ایک نظری معقولیت کا نام ہے نہ کہ کسی ہتھوڑے کا۔ اس لئے دلیل کو ماننا کسی کے لئے صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ وہ فی الواقع سنجیدہ ہو، وہ شعوری طور پر اس کے لئے تیار ہو کہ وہ دلیل کو مان لے گا خواہ وہ اس کی موافقت میں جارہی ہو یا اس کے خلاف۔

اور وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے، پھر ہر ایک کے لئے ایک ٹھکانہ ہے اور ہر ایک کے لئے اس کے سونپے جانے کی جگہ۔ ہم نے دلائل کھول کر بیان کر دئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھیں۔ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس سے نکالی اگنے والی ہر چیز۔ پھر ہم نے اس سے سرسبز شاخ نکالی جس سے ہم تہ بہ تہ دانے پیدا کر دیتے ہیں۔ اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے، آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی۔ ہر ایک کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے۔ اور اس کے پکنے کو دیکھو جب وہ پکتا ہے۔ بے شک ان کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان کی طلب رکھتے ہیں ۹۹-۹۸

انسانی کارخانے اس پر قادر نہیں کہ وہ ایک ایسی مشین بنا دیں کہ اس کے بطن سے اسی قسم کی بے شمار مشینیں خود بخود نکلتی چلی جائیں۔ ہمارے کارخانوں کو ہر مشین الگ الگ بنانی پڑتی ہے۔ مگر خدا کے کارخانہ میں یہ واقعہ ہر روز ہو رہا ہے۔ درخت کا ایک بیج بو دیا جاتا ہے۔ پھر اس بیج سے بے شمار درخت نکلتے چلے جاتے ہیں۔ یہی معاملہ انسان کا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت سے شروع ہو کر کھرب ہا کھرب انسان پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ان کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ یہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ جس خدا نے کائنات کو پیدا کیا ہے اس کی قدرت بے حد وسیع ہے۔ وہ اس نادر تخلیق پر قادر ہے کہ ایک ابتدائی چیز وجود میں لائے اور پھر اس کے اندر سے بے حساب گنا زیادہ بڑی بڑی چیزیں مسلسل نکلتی چلی جائیں۔ اسی طرح خدا موجودہ دنیا سے ایک زیادہ شان دار اور زیادہ معیاری دنیا نکال سکتا ہے۔ آخرت کا عقیدہ کوئی دور کا عقیدہ نہیں بلکہ جس امکان کو ہم ہر روز دیکھ رہے ہیں اسی امکان کو مستقبل کے ایک واقعہ کی حیثیت سے تسلیم کرنا ہے۔

مٹی بظاہر ایک مردہ اور جامد چیز ہے۔ پھر اس کے اوپر بارش ہوتی ہے۔ پانی پاتے ہی مٹی کے اندر سے ایک نئی سرسبز دنیا نکل آتی ہے۔ اس کے اندر سے طرح طرح کی فصلیں اور قسم قسم کے پھل دار درخت وجود میں آجاتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی موجودہ دنیا کے بعد آنے والی دنیا کی ایک تمثیل ہے۔ مٹی پر پانی پڑنے سے زمین کے اوپر رنگ اور خوشبو اور ذائقہ کا ایک سرسبز دشاداب چمن کھل اٹھنا اُس امکان کو بتاتا ہے جو دنیا کے خالق نے یہاں رکھ دیا ہے۔ آج کی دنیا میں انسان جو نیک عمل کرتا ہے وہ اسی قسم کا ایک امکان ہے۔ جب خدا کی رحمتوں کی بارش ہوگی تو یہ امکان ہرا بھرا ہو کر آخرت کی لہلہاتی ہوئی فصل کی صورت میں تبدیل ہو جائے گا۔

انسان اولاً ماں کے بطن کے سپرد ہوتا ہے پھر موجودہ دنیا میں آتا ہے۔ قبر بھی گویا اسی قسم کا ایک "بطن" ہے۔ آدمی قبر کے سپرد کیا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ اگلی دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تاکہ اپنے عمل کے مطابق جنت یا جہنم میں داخل کر دیا جائے ـــــ انسان سے غیب کی جس دنیا کو ماننے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اس کی جھلکیاں اور اس کے دلائل موجودہ محسوس کائنات میں پوری طرح موجود ہیں۔ مگر مانتا وہی ہے جو پہلے سے ماننے کے لئے تیار ہو۔ "ایمان" کی راہ میں آدمی جب آدھا سفر طے کر چکا ہوتا ہے اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوتا ہے کہ ایمان کی دعوت اس کے ذہن کا جزء بنے اور وہ اس کو قبول کرے۔ جو شخص ایمان کے الٹے رخ پر سفر کر رہا ہو اس کو ایمان کی دعوت کبھی نفع نہیں پہنچا سکتی۔

اور انھوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دیا۔ حالاں کہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور بے جانے بوجھے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تراشیں۔ پاک اور برتر ہے وہ ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ یہ ہے اللہ تمھارا رب۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے، پس تم اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ اس کو نگاہیں نہیں پاتیں۔ مگر وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔ وہ بڑا باریک بیں اور بڑا باخبر ہے۔ اب تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آچکی ہیں۔ پس جو بینائی سے کام لے گا وہ اپنے ہی لئے، اور جو اندھا بنے گا وہ خود نقصان اٹھائے گا۔ اور میں تمھارے اوپر کوئی نگراں نہیں ہوں ۱۰۴ — ۱۰۰

قدیم ترین زمانہ سے انسان کی یہ کمزوری رہی ہے کہ جس چیز میں بھی کوئی امتیاز یا کوئی پراسراریت دیکھتا ہے اس کو وہ خدا کا شریک سمجھ لیتا ہے۔ اور اس سے مدد لینے یا اس کی آفتوں سے بچنے کے لئے اس کو پوجنے لگتا ہے۔ اسی ذہن کے تحت بہت سے لوگوں نے فرشتے اور کواکب اور جنات کو پوجنا شروع کر دیا۔ حالاں کہ ان چیزوں کے خدا نہ ہونے کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ ان کے اندر "خلق" کی صفت نہیں۔ انھوں نے نہ اپنے آپ کو پیدا کیا اور نہ وہ کسی دوسری چیز کو پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ ان کو خود کسی دوسری ہستی نے تخلیق کیا ہے۔ پھر جو خالق ہے وہ خدا ہوگا یا جو مخلوق ہے وہ خدا بن جائے گا۔

ایک درخت کو کمال درجہ موزونیت کے ساتھ وہ تمام چیزیں پہنچتی ہیں جو اس کی بقا کے لئے ضروری ہیں۔ اسی طرح کائنات کی تمام چیزوں کا حال ہے۔ جب یہ حقیقت ہے کہ ان چیزوں کو جو کچھ ملتا ہے کسی دینے والے کے دئے سے ملتا ہے تو یقیناً دینے والا ہر جزء و کل سے باخبر ہوگا۔ اگر وہ ان سے باخبر نہ ہو تو ہر چیز کی اس کی عین ضرورت کے مطابق کارسازی کس طرح کرے۔ اب جو خدا اتنی کامل صفات کا مالک ہو وہ آخر کس ضرورت کے لئے کسی کو اپنی خدائی میں شریک کرے گا۔

انسان خدا کو محسوس صورت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اور جب وہ اس کو محسوس صورت میں نظر نہیں آتا تو وہ دوسری محسوس چیزوں کو خدا فرض کر کے اپنی ظاہر پرستی کی تسکین کر لیتا ہے۔ مگر یہ خدا کی ہستی کا بہت کمتر اندازہ ہے آخر جو خدا ایسا عظیم ہو کہ اتنی بڑی کائنات پیدا کرے اور انتہائی نظم کے ساتھ اس کو مسلسل چلاتا رہے، وہ اتنا معمولی کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک کمزور مخلوق اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اپنے ہاتھوں سے چھوئے۔ البتہ انسان دل کی راہ سے خدا کو پاتا ہے اور یقین کی آنکھ سے اس کو دیکھتا ہے۔ جو شخص بصیرت کی آنکھ سے دیکھ کر ماننے پر راضی ہو وہی خدا کو پائے گا۔ جو بصارت سے دیکھنے پر اصرار کرے وہ خدا کو پانے سے اسی طرح محروم رہے گا جس طرح وہ شخص پھول کی خوشبو کو جاننے سے محروم رہتا ہے جو اس کو کیمیائی معیاروں پر پرکھ کر جاننا چاہے۔

اور اس طرح ہم اپنی دلیلیں مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ کہیں کہ تم نے پڑھ دیا اور تاکہ ہم اچھی طرح کھول دیں ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔ تم بس اس چیز کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تم پر وحی کی جارہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے اعراض کرو۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ اور ہم نے تم کو ان کے اوپر نگراں نہیں بنایا ہے اور نہ تم ان پر مختار ہو۔ اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دو ورنہ یہ لوگ حد سے گزر کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کی نظر میں اس کے عمل کو خوش نما بنا دیا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ اس وقت اللہ انھیں بتادے گا جو وہ کرتے تھے ۱۰۸ — ۱۰۵

ایک شخص وہ ہے جس کے اندر طلب کی نفسیات ہو، جو سچائی کی تلاش میں رہتا ہو۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جو دولت یا اقتدار کا کوئی حصہ پاکر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ پائے ہوئے لوگ ہیں۔ ان کے اندر کوئی کمی نہیں ہے جو کوئی شخص آکر پوری کرے۔ حق کی دعوت جب اٹھتی ہے تو اس کو قبول کرنے والے زیادہ تر پہلی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جو دوسری قسم کے لوگ ہیں وہ اس کو کوئی قابل لحاظ چیز نہیں سمجھتے۔ وہ کبھی سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور نہیں کرتے۔ اس لئے اس کی اہمیت بھی ان پر واضح نہیں ہوتی۔ ایسے حالات میں حق کی دعوت کا مقصد دو ہوتا ہے۔ جو سچے طالب ہیں ان کی طلب کا جواب فراہم کرنا۔ اور جو لوگ طالب نہیں ہیں ان پر حجت قائم کرنا۔ پہلی قسم کے لوگوں کے لئے دعوت کا نشانہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے ماننے والے بن جائیں۔ اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے یہ کہ وہ کہہ اٹھیں کہ "تم نے بتا دیا، تم نے بات ہم تک پہنچا دی"

جو لوگ دعوت کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے انکار کو برحق ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی باتیں نکالتے ہیں۔ ایسے موقع پر داعی کے دل میں یہ خیال آنے لگتا ہے کہ وہ دعوت کے انداز میں ایسی تبدیلی کردے جس سے وہ مدعو کے لئے قابل قبول بن جائے۔ مگر اس قسم کا انحراف درست نہیں۔ داعی کو ہمیشہ اسی اسلوب پر قائم رہنا چاہئے جو براہ راست خدا کی طرف سے تلقین کیا گیا ہے۔ کیونکہ اصل مقصد انسان کو خدا سے جوڑنا ہے نہ کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو اپنے حلقہ میں شامل کرنا۔ دوسری طرف یہ بات بھی غلط ہے کہ مدعو کے رویہ سے مشتعل ہو کر ایسی باتیں کی جائیں کہ اس کی گمراہی جاہلانہ بدکلامی تک جا پہنچے۔

آدمی جن خاص روایات میں پیدا ہوتا ہے اور جن افکار سے وہ مانوس ہو جاتا ہے، ان کے حق میں اس کے اندر ایک طرح کی عصبیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے مطابق اس کا ایک فکری ڈھانچہ بن جاتا ہے جس کے تحت وہ سوچتا ہے۔ یہی فکری ڈھانچہ حق کو قبول کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جب تک آدمی اس فکری ڈھانچہ کو نہ توڑے اس کے ذہن میں وہ دروازہ نہیں کھلتا جس کے ذریعہ حق کی آواز اس کے اندر داخل ہو۔

اور یہ لوگ اللہ کی قسم بڑے زور سے کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں۔ کہہ دو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔ اور تمھیں کیا خبر کہ اگر نشانیاں آجائیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس کے اوپر پہلی بار ایمان نہیں لائے۔ اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں گے۔ اور اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ساری چیزیں ان کے سامنے اکٹھا کر دیتے تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اِلّا یہ کہ اللہ چاہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نادانی کی باتیں کرتے ہیں ۱۱۱ — ۱۰۹

حق ایک شخص کے سامنے دلائل کے ساتھ آتا ہے اور وہ اس کا انکار کر دیتا ہے تو اس کی وجہ ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ بات کو اس کے صحیح رخ سے دیکھنے کے بجائے الٹے رخ سے دیکھنا۔ کوئی بات خواہ کتنی ہی مدلل ہو، آدمی اگر اس کو ماننا نہ چاہے تو وہ اس کو رد کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ پالے گا۔ مثلاً داعی کے دلائل کو دلائل کی حیثیت سے دیکھنے کے بجائے وہ یہ بحث چھیڑ دے گا کہ تمھارے سوا جو دوسرے بزرگ ہیں کیا وہ سب حق سے محروم تھے۔ اور اسی طرح دوسری باتیں۔

جس آدمی کے اندر اس قسم کا مزاج ہو اس کا راہ راست پر آنا انتہائی مشکل ہے۔ وہ ہر بات کو غلط رخ دے کر اس کے انکار کا ایک بہانہ تلاش کر سکتا ہے۔ نظری دلائل کو رد کرنے کے لئے اگر اس کو یہ الفاظ مل رہے تھے کہ یہ اسلاف کے مسلک کے خلاف ہے تو حسی مشاہدہ کو رد کرنے کے لئے وہ یہ الفاظ پالے گا کہ یہ نظر کا دھوکا ہے، اس کی حقیقت ایک فرضی طلسم کے سوا اور کچھ نہیں۔ جو مزاج نظری دلیل کو ماننے میں رکاوٹ بنا تھا وہی مزاج حسی دلیل کو ماننے میں بھی رکاوٹ بن جائے گا۔ آدمی اب بھی اسی طرح محروم رہے گا جیسے وہ پہلے محروم تھا۔

اس قسم کے لوگ اپنی نفسیات کے اعتبار سے سرکش واقع ہوتے ہیں۔ وہ ہر حال میں اپنے کو اونچا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایک داعی جب ان کے سامنے حق کا پیغام لے آتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ماحول میں اجنبی ہوتا ہے، وہ وقت کی عظمتوں سے خالی ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اپنے کو منسوب کرنا اپنی حیثیت کو نیچے گرانے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ اس لئے برتری کی نفسیات رکھنے والے لوگ اس کو قبول نہیں کر پاتے۔ وہ طرح طرح کی توجیہات پیش کر کے اس کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔

دانائی یہ ہے کہ آدمی خدا کے نقشہ کو مانے اور اس کے مطابق اپنے ذہن کو چلانے کے لئے تیار ہو۔ اس کے برعکس نادانی یہ ہے کہ آدمی خدا کے نقشہ کے بجائے خود ساختہ معیار قائم کرے اور کہے کہ جو چیز مجھ کو اس معیار پر ملے گی میں اس کو مانوں گا اور جو چیز اس معیار پر نہیں ملے گی اس کو نہیں مانوں گا۔ ایسے آدمی کے لئے اس دنیا میں صرف بھٹکنا ہے۔ خدا کی اس دنیا میں آدمی خدا کے مقرر کئے ہوئے طریقوں کی پیروی کر کے منزل تک پہنچ سکتا ہے نہ کہ اس کے مقررہ طریقہ کو چھوڑ کر۔

اور اسی طرح ہم نے شریر آدمیوں اور شریر جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا۔ وہ ایک دوسرے کو پُر فریب باتیں سکھاتے ہیں دھوکا دینے کے لئے۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ پس تم انھیں چھوڑ دو کہ وہ جھوٹ باندھتے رہیں۔ اور ایسا اس لئے ہے کہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہوں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ اور تاکہ وہ اس کو پسند کریں اور تاکہ جو کمائی انھیں کرنی ہے وہ کرلیں ۱۳ – ۱۱۲

ابن جریر نے حضرت ابوذر سے نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شریک ہوا۔ یہ ایک لمبی مجلس تھی۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر، کیا تم نے نماز پڑھ لی۔ میں نے کہا نہیں اے خدا کے رسول۔ آپ نے فرمایا: اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو۔ وہ نماز پڑھ کر دوبارہ مجلس میں آکر بیٹھے تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر کیا تم نے جن وانس کے شیطانوں کے مقابلہ میں اللہ سے پناہ مانگی۔ میں نے کہا نہیں اے خدا کے رسول، کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں، وہ شیاطینِ جن سے بھی زیادہ برے ہیں (نعم ھم شر من شیاطین الجن، تفسیر ابن کثیر)

یہاں شیاطین انس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دعوت حق کو بے اعتبار ثابت کرنے کے لئے قائدانہ کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود ساختہ مذہب کی بنیاد پر عزت ومقبولیت کا مقام حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب حق کی دعوت اپنی بے آمیز شکل میں اٹھتی ہے تو ان کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان کو برہنہ کر رہی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے سیدھا راستہ تو یہ تھا کہ وہ حق کی وضاحت کے بعد اس کو مان لیں مگر حق کے مقابلہ میں اپنا مقام ان کو زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اپنی حیثیت کو بچانے کے لئے وہ خود داعی اور اس کی دعوت کو مشتبہ ثابت کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ خوش نما الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ داعی اور اس کی دعوت میں ایسے شوشے نکالتے ہیں جو اگرچہ بذات خود بے حقیقت ہوتے ہیں مگر بہت سے لوگ اس سے متاثر ہو کر اس کے بارے میں شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔

موجودہ دنیا میں جو امتحانی حالات پیدا کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں صحیح بات کہنے والے کو بھی الفاظ مل جاتے ہیں اور غلط بات کہنے والے کو بھی۔ حق کا داعی اگر حق کو دلائل کی زبان میں بیان کر سکتا ہے تو اسی کے ساتھ باطل پرستوں کو بھی یہ موقع حاصل ہے کہ وہ حق کے خلاف کچھ ایسے خوش نما الفاظ بول سکیں جو لوگوں کو دلیل معلوم ہوں اور وہ اس سے متاثر ہو کر حق کا ساتھ دینا چھوڑ دیں۔ یہ صورت حال امتحان کی غرض سے ہے اس لئے وہ لازماً قیامت تک باقی رہے گی۔ اس دنیا میں بہرحال آدمی کو اس امتحان میں کھڑا ہونا ہے کہ وہ سچے دلائل اور بے بنیاد باتوں کے درمیان فرق کرے اور بے بنیاد باتوں کو رد کرکے سچے دلائل کو قبول کرے۔

شیاطینِ انس اپنی ذہانت سے حق کے خلاف جو پُر فریب شوشے نکالتے ہیں وہ انھیں لوگوں کو متاثر کرتے ہیں جو آخرت کے فکر سے خالی ہوں۔ آخرت کا اندیشہ آدمی کو انتہائی سنجیدہ بنا دیتا ہے اور جو شخص سنجیدہ ہو اس سے باتوں کی حقیقت کبھی چھپی نہیں رہ سکتی۔ مگر جو لوگ آخرت کے اندیشہ سے خالی ہوں وہ حق کے معاملہ میں سنجیدہ نہیں ہوتے، اسی لئے وہ شوشہ اور دلیل کا فرق بھی سمجھ نہیں پاتے۔

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں۔ حالانکہ اس نے تمہاری طرف واضح کتاب اتاری ہے۔ اور جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے واقعیت کے ساتھ۔ پس تم نہ ہو شک کرنے والوں میں۔ اور تمہارے رب کی بات پوری سچی ہے اور انصاف کی، کوئی بدلنے والا نہیں اس کی بات کو اور وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اور اگر تم لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں ہیں تو وہ تم کو خدا کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے ان کو جو ان کے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور خوب جانتا ہے ان کو جو راہ پائے ہوئے ہیں

۱۱۴ — ۱۱۷

قرآن میں ذبیحہ کے احکام اترے اور یہ کہا گیا کہ مردہ جانور نہ کھاؤ، ذبح کیا ہوا کھاؤ تو کچھ لوگوں نے کہا: مسلمانوں کا مذہب بھی عجیب ہے۔ وہ اپنے ہاتھ کا مارا ہوا جانور حلال سمجھتے ہیں اور جس کو اللہ نے مارا ہو اس کو حرام بتاتے ہیں۔ اس جملہ میں لفظی تک بندی کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ مگر بہت سے لوگ اس کو سن کر دھوکے میں آگئے اور اسلام کو شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے۔ ایسا ہی ہمیشہ ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جو باتوں کو ان کی اصل حقیقت کے اعتبار سے سمجھتے ہوں۔ بیشتر لوگ الفاظ کے گورکھ دھندے میں گم رہتے ہیں۔ وہ خیالی باتوں کو حقیقی سمجھ لیتے ہیں، صرف اس لئے کہ ان کو خوبصورت الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

مگر یہ دنیا ایسی دنیا ہے جہاں تمام بنیادی حقیقتوں کے بارے میں خدا کے واضح بیانات آچکے ہیں۔ اس لئے یہاں کسی کے لئے اس قسم کی بے راہی میں پڑنا قابل معافی نہیں ہو سکتا۔ خدا کا کلام ایک کھلی ہوئی کسوٹی ہے جس پر جانچ کر ہر آدمی معلوم کر سکتا ہے کہ اس کی بات محض ایک لفظی شعبدہ ہے یا کوئی واقعی حقیقت ہے۔ خدا نے ماضی، حال اور مستقبل کے تمام ضروری امور کی بابت سچا بیان دے دیا ہے۔ اس نے انسانی تعلقات کے تمام پہلوؤں کے بارے میں کامل انصاف کی راہ بتا دی ہے۔ آدمی اگر فی الواقع سنجیدہ ہو تو اس کے لئے یہ جاننا کچھ بھی مشکل نہیں کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا۔ اب اس کے بعد شبہ میں وہی پڑے گا جس کا حال یہ ہو کہ اس کی سوچ خدا کے کلام کے سوا دوسری چیزوں کے زیر اثر کام کرتی ہو۔ جو شخص اپنی سوچ کو خدائی حقیقتوں کے موافق بنالے اس کے لئے یہاں فکری بے راہ روی کا کوئی امکان نہیں۔

اس خدائی وضاحت کے بعد بھی اگر آدمی بھٹکتا ہے تو خدا کو اس کا حال اچھی طرح معلوم ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے اپنی بڑائی قائم رکھنے کی خاطر اپنے سے باہر ظاہر ہونے والی سچائی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ کون ہے جس کے تعصب نے اس کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ بات کو سمجھ سکے۔ کس نے سستی نمائش میں اپنی رغبت کی وجہ سے سچائی کی آواز پر دھیان نہیں دیا۔ کون ہے جو حسد کی نفسیات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے حق سے ناآشنا رہا۔

شکایت کے باوجود

کعبہ کی دربانی (حجابہ) جاہلیت کے زمانہ میں بھی نہایت عزت کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ یہ دربانی قدیم ترین زمانہ سے ایک خاص خاندان میں چلی آرہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس خاندان کے ایک فرد عثمان بن طلحہ کعبہ کے دربان تھے۔ انھیں کے پاس کعبہ کی کنجیاں رہتی تھیں۔

بخاری نے روایت کیا ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ کعبہ کے اندر داخل ہوکر عبادت کریں۔ آپ نے عثمان بن طلحہ سے کنجی مانگی تاکہ اس کا دروازہ کھول سکیں۔ مگر عثمان بن طلحہ نے انکار کیا اور آپ کو برا بھلا کہا۔ آپ نے فرمایا: اے عثمان، کسی دن تم دیکھو گے کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ مجھے اختیار ہوگا کہ میں جس کو چاہوں اسے دوں۔ یہ سن کر عثمان بن طلحہ نے کہا:

لقد هلكت قريش يومئذ وذلت — وہ دن قریش کی تباہی اور رسوائی کا دن ہوگا

آپ نے فرمایا: نہیں، اس دن وہ آباد اور باعزت ہوں گے۔

اس کے بعد وہ وقت آیا کہ مکہ فتح ہوا اور تمام اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آگیا۔ آپ مکہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے بیت اللہ گئے۔ آپ نے کعبہ کا سات بار طواف کیا۔ اس کے بعد آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا۔ ایک روایت کے مطابق وہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ نے ان سے کنجی لی اور دروازہ کھول کر کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔ آپ کچھ دیر اس کے اندر رہے اور وہاں جو بت تھا اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے باہر نکلے تو آپ کے ہاتھ میں اس کی کنجی تھی اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا (اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں اہل امانت کے سپرد کردو) اس وقت آپ کے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علی کھڑے ہو گئے اور کہا: یا رسول اللہ اجمع لنا الحجابۃ مع السقایۃ صلی اللہ علیک۔ یعنی اللہ کی رحمت آپ پر ہو، ہم بنو ہاشم کو پہلے سے زائرین کعبہ کو پانی پلانے کی خدمت حاصل ہے۔ اب کعبہ کی کلید برداری بھی ہمیں کو دے دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا: عثمان بن طلحہ کہاں ہیں۔ ان کو بلایا گیا۔ آپ نے کعبہ کی کنجی ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

هاك مفتاحك ياعثمان، اليوم يوم بر ووفاء۔ — اے عثمان، اپنی کنجی لو۔ آج وفا اور سلوک کا دن ہے۔

خذوها خالدة تالدة، لا ينزعها منكم — اس کو لو۔ یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ موروثی طور

الا ظالم (زاد المعاد، جلد اول) پر رہے گی۔ ظالم کے سوا کوئی بھی تم سے اس کو نہیں چھینے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق کی ادائگی اور امانتوں کی واپسی کے معاملہ میں مسلمانوں کو اتنا زیادہ پابند ہونا چاہئے کہ صاحب حق کی طرف سے تلخی کا مظاہرہ ہو تب بھی جس کا جو حق ہے اس کو اس کا حق پورا پورا ادا کیا جائے۔ ادائگی حقوق سے کسی حال میں بھی تجاوز نہ کیا جائے خواہ وہ اپنی طبیعت کے کتنا ہی خلاف ہو۔

دنیا پرست لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب ان کو کسی قسم کا اقتدار ملتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے سابق مخالفین کو سزا دیں اور ان کو ان کے منصب سے ہٹا کر اپنے عقیدت مندوں کو تمام مناصب پر بٹھا دیں۔ ہر صاحب اقتدار موافق اور مخالف کی اصطلاحوں میں سوچتا ہے۔ موافقین کو اٹھانا اور مخالفین کو کچلنا اس کی پالیسی کا سب سے اہم جزء ہوتا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں اقتدار حاصل ہوا تو آپ نے اس کے بالکل برعکس معاملہ کیا۔ آپ نے معاملات کو "موافق" اور "مخالف" کے اعتبار سے نہیں دیکھا بلکہ حق پسندی اور امانت داری کے لحاظ سے دیکھا۔ اور تمام شکایتی باتوں کو نظر انداز کر کے ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو رحمت اور عدل کا تقاضا تھا۔

جب کسی ملک میں کوئی نیا انقلاب آتا ہے اور اقتدار بدلتا ہے تو قدیم نظام کے تحت رائج شدہ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جن کے متعلق فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ کیا کیا جائے۔ نئے حکمراں اگر یہ کریں کہ ایک طرف سے تمام پرانی چیزوں کو بدلنا شروع کر دیں تو پھر غیر ضروری مسائل ابھر کر دوبارہ وہی مشکلات پیدا کر دیں گے جو انقلاب سے پہلے تھیں۔ انقلاب کے اصل مقاصد دھرے رہ جائیں گے اور نئے نئے مسائل میں ساری قوت صرف ہونے لگے گی جو کبھی حل نہ ہوں گے۔ وہ سماجی رواجات جو صدیوں میں بنیں ان کی جڑیں اتنی گہری ہوتی ہیں کہ ان کو چند دن میں بدلنا ممکن نہیں ہوتا۔ مگر جن کے ہاتھ میں اقتدار آتا ہے وہ اکثر اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شوق انقلاب میں وہ اپنے آپ کو ایسی چیزوں میں الجھا لیتے ہیں جو بالآخر ان کو بھی کھا جائیں اور ان کے انقلاب کو بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں نئے حکمراں کو اصولی مسئلہ اور رواجی مسئلہ میں فرق کرنا چاہئے۔ جو مسائل خالص اصولی نوعیت کے ہیں ان میں قطعاً مصالحت نہ کی جائے۔ مگر رواجی نوعیت کے مسائل میں صرف نظر کرنے کی پالیسی اختیار کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے میں ایک دن کی تاخیر بھی نہیں کی مگر کعبہ کی کلید برداری کے معاملہ میں جو رواج پہلے سے چلا آرہا تھا اسی کو برقرار رکھا۔

ہر چیز میں سبق ہے

خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۸-۱۹۵۵) کا ایک مضمون ہے "مچھر کی کہانی"۔ خواجہ صاحب نے مچھر سے شکایت کی کہ تم اتنا کیوں پریشان کر رہے ہو۔ ہم کو سونے کیوں نہیں دیتے۔ مچھر نے جواب دیا: "سونے اور ہمیشہ سونے کا موقع ابھی نہیں آیا ہے۔ جب آئے گا تو بے فکر ہو کر سونا۔ ابھی تو ہوشیار رہنے اور کچھ کام کرنے کا وقت ہے"۔ ——— اگر نصیحت لینے کا ذہن ہو تو مچھر کی بھنبھناہٹ میں بھی آدمی کو زندگی کا پیغام مل جاتا ہے۔ اور اگر نصیحت لینے کا ذہن نہ ہو تو بم کے دھماکے اور ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ بھی جمود کو توڑنے کے لئے ناکافی ہیں۔ ایسے لوگوں کو قیامت کا طوفان ہی بیدار کر سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ قیامت کے طوفان سے بیدار ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ بدلہ پانے کا وقت ہوگا نہ کہ عمل کرنے کا۔

قرآن میں کہا گیا ہے کہ جنتی وہ ہے جو اللہ کے پاس قلب سلیم (شعراء ۸۹) لے کر آئے۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ دے دیتا ہے (من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ آدمی کا ذہن کھلا ہوا ہو۔ وہ حق کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکے۔ وہ نفسیاتی پیچیدگیوں سے آزاد ہو کر رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایسے آدمی کے سامنے جب کوئی سچائی یا کوئی سبق کی بات آتی ہے تو اس کو سمجھنے میں اسے دیر نہیں لگتی۔ وہ اس کو فوراً پالیتا ہے اور اپنی زندگی میں اس کو شامل کر لیتا ہے۔

دنیا میں ہر طرف اللہ کی نشانیاں بکھری ہوئی ہیں، کہیں جمادات خاموش زبان میں کسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کہیں "مچھر" اپنی زبان میں کوئی پیغام دیتا ہے۔ کہیں انسانوں کے درمیان کوئی واقعہ ہوتا ہے اور اس میں ایک چھپا ہوا سبق موجود ہوتا ہے۔ کبھی کوئی اللہ کا بندہ کھلی ہوئی نصیحت کی زبان میں کسی امر حق کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ان تمام مواقع پر وہی شخص سچائی کو پائے گا جس نے اپنا سینہ سچائی کے لئے کھلا رکھا ہو۔ اگر آدمی کے اندر سبق لینے اور بات کو پکڑنے کا مزاج نہ ہو تو کوئی بھی چیز اسے فائدہ نہیں دے سکتی۔ کھلے ذہن کا آدمی "مچھر" سے بھی سبق لے سکتا ہے۔ اور جس نے اپنے ذہن کی کھڑکیاں بند کر لی ہوں اس کے لئے خدا کی کتاب اور رسول کا کلام بھی ہدایت کو پانے کے لئے ناکافی ہے ——— سب سے بڑی چیز سبق لینے کا مزاج ہے۔ جس شخص کے اندر یہ مزاج پیدا ہو جائے اس کے لئے خدا کی ساری دنیا ایک زندہ کتاب بن جائے گی۔ اور جو اس مزاج سے محروم ہو وہ ایک قسم کا جانور ہے جو سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد بھی نہیں جانتا کہ کیا دیکھا اور کیا سنا۔

جنت المعلیٰ

مکہ جس زمین پر آباد ہے وہ ایک طرف نیچی اور دوسری طرف اونچی ہے۔ نچلے علاقہ کو مسفلہ اور اونچے علاقہ کو معلیٰ کہتے ہیں۔ اونچائی والے علاقہ میں ایک قدیم قبرستان ہے۔ اس کا نام جنت المعلیٰ ہے۔ یہ مکہ سے منی کے رخ پر واقع ہے۔ اس قبرستان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ ابراہیم اور آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب کی قبر ہے۔ آپ کے چچا ابو طالب اور آپ کے دادا عبد المطلب کی قبریں بھی یہیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جیسا صحابی اور ابو جعفر منصور جیسا حکمراں بھی یہیں مدفون ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں کے مزارات ہیں جو ان شخصیتوں کی یاد دلاتے ہیں جو کبھی ہماری طرح زمین پر چلتے پھرتے تھے۔

زندہ آدمی کی علامت گھر ہوتے ہیں اور مردہ آدمی کی علامت قبرستان۔ قبرستان ہم کو یاد دلاتے ہیں کہ یہاں کچھ زندہ آدمی تھے جو اپنی عمر کی مدت پوری کر کے زندگی کے اگلے مرحلہ میں داخل ہو گئے۔ پھر وہ قبرستان جس کے باسیوں کا حال نام بنام معلوم ہو، اس کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ ایسے قبرستان تاریخ کا جزء ہوتے ہیں۔ وہ تاریخ کے زندہ صفحات ہوتے ہیں جن میں اگلی نسلیں اپنی پچھلی نسلوں کے احوال پڑھتی ہیں اور زندگی کے تسلسل کو یاد کر کے اپنے حال کو اپنے ماضی سے مربوط کرتی ہیں۔ قبرستان گویا ایک بیتا ہوا تجربہ ہے جو آج کے لوگوں کو کل کے لوگوں کی کامیابیوں اور ناکامیوں کی داستان سناتا ہے۔ کوئی حاجی یا مکہ کی زیارت کرنے والا جب جنت المعلیٰ کے سامنے پہنچتا ہے تو یہ مقام اس کو یاد دلاتا ہے کہ زندگی کے جس راستہ پر وہ چل رہا ہے یہ وہی معلوم اور متعین راستہ ہے جس پر اس سے پہلے بہت سے لوگ چلے تھے۔ یہ ایک ایسے قافلہ کے گزرنے کے نشانات ہیں جو تاریخ میں اپنی واقعیت ثابت کر چکا ہے نہ کہ ایسا قافلہ جس کے نشانات ماضی کے دھندلے افسانوں میں گم ہو چکے ہوں۔

عرب میں قبوں اور پختہ تعمیرات والے قبرستان نہیں ہوتے۔ وہاں کی قبریں گویا ہموار میدان میں کچھ ابھرے ہوئے نشانات ہوتے ہیں، تقریباً ویسے ہی جیسے ہمارے یہاں کے کسی عام اور غیر پختہ قبرستان میں دکھائی دیتے ہیں۔ جنت المعلیٰ عرب کا ایسا ہی ایک قبرستان ہے۔ جنت المعلیٰ ایک ایسا قبرستان ہے جو انسانی اضافوں سے پاک ہے۔ یہاں فطرت کا سادہ ماحول ہے نہ کہ انسان کا بنایا ہوا مصنوعی ماحول۔

ایک شخص جب جنت المعلیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کا ذہن تاریخ کے ان معلوم انسانوں کی طرف چلا جاتا ہے جو ہم سے پہلے عرب کی خاک میں پیدا ہوئے اور چلتے اور بولتے ہوئے بالآخر یہاں کی مٹی میں خاموش ہو کر لیٹ گئے۔

۱۔ جنت المعلیٰ میں خاموش ہو جانے والی روحوں میں سے ایک عبد المطلب (۴۹۷ - ۵۷۹ء) ہیں۔ عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ انھیں نے آپ کا نام "محمد" تجویز کیا جو اس وقت عرب میں ایک نیا نام تھا۔ وہ آٹھ سال کی عمر تک آپ کے کفیل رہے۔ وہ بنو ہاشم کے سردار تھے اور نہایت شاندار شخصیت کے مالک تھے۔ عبد المطلب کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا کہ ابرہہ (شاہ حبش کی طرف سے صنعار کا حاکم) ہاتھیوں کی فوج لے کر

مکہ پر حملہ آور ہوا۔ ابرہہ نے مکہ کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ اس نے عبدالمطلب کے دوسو اونٹ پکڑوا لیے۔ عبدالمطلب اس سلسلہ میں ابرہہ سے ملنے گئے۔ ابرہہ ان کی پُروقار شخصیت سے بہت متاثر ہوا اور ان کو اپنے پاس عزت کے ساتھ بٹھایا اور آنے کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے کہا کہ میں اپنے دوسو اونٹوں کے لئے آیا ہوں جو آپ کے آدمیوں نے پکڑ لیے ہیں: ابرہہ نے کہا: تم اپنے اونٹوں کے لئے مجھ سے سفارش کرنے آئے ہو اور اس محترم گھر (کعبہ) کے لئے کچھ نہیں کہتے جس کے اوپر تمھاری قومی عزت قائم ہے اور جس کو ڈھانے کے لئے میں یہاں آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا: میں اونٹ کا مالک ہوں۔ کعبہ کا مالک خدا ہے، وہ اس کی حفاظت کرے گا (انا رب الابل وان للبیت ربا سیمنعہ) چنانچہ خدا نے ابرہہ کے عظیم لشکر کو تباہ کر دیا اور وہ کعبہ پر حملہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

عبدالمطلب کا نام اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ کعبہ وہ مقدس گھر ہے جس کا پاسبان خود خدا ہے۔

۲۔ اسی طرح جنت المعلیٰ میں ابوطالب دفن ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ عام روایت کے مطابق وہ اگرچہ آپ پر ایمان نہیں لائے مگر انھوں نے اپنے بس بھر آپ کی پوری مدد کی۔ وہ آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کی چٹان بن گئے۔ انھوں نے اپنے آبائی دین کو نہ چھوڑا۔ مگر انسانی حیثیت سے آخر وقت تک وہ آپ کا ساتھ دیتے رہے۔ حتیٰ کہ جب قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بائیکاٹ کیا اور آپ کو مع اپنے خاندان کے ایک خشک پہاڑ کے درہ (شعب ابی طالب) میں محصور ہونا پڑا، اس وقت بھی ابوطالب آپ کے ساتھ رہے۔ اگرچہ یہ تین سال کی مدت اتنی سخت تھی کہ وہ بیمار پڑ گئے اور بالآخر بعثت کے دسویں سال (۶۲۰ء) ان کا انتقال ہو گیا۔ ابوطالب نے آپ کے مشن سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی اپنے بھتیجے کے وہ سارے حقوق مکمل طور پر ادا کئے جو خاندان کے بڑے ہونے کی حیثیت سے ان پر آتے تھے۔

۳۔ آمنہ بنت وہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں۔ آپ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے کہ آپ کے والد عبداللہ (۵۷۰ - ۶۴۵ء) کا انتقال ہو گیا۔ عبداللہ کا ننہال مدینہ (یثرب) میں تھا اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال تھی کہ آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئیں تاکہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کر سکیں۔ ایک مہینہ سے کچھ زیادہ قیام کر کے مکہ واپس آ رہی تھیں کہ راستہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ آمنہ کی عمر اس وقت قریب ۲۵ سال تھی۔ اس سفر میں آپ کی باندی ام ایمن حبشیہ آپ کے ساتھ تھیں۔ ام ایمن نے کچھ لوگوں کی مدد سے موجودہ جنت المعلیٰ میں ان کو دفن کیا اور آپ کے چھ سالہ بچہ کو ساتھ لا کر ان کے دادا عبدالمطلب کے حوالے کر دیا۔ آمنہ نے تاریخ کے سب سے بڑے انسان کو پیدا کیا، اگرچہ وہ اس کی عظمت کو دیکھنے کے لئے زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکیں۔

۴۔ حضرت خدیجہ بنت خُویلد مکہ کی ایک نہایت شریف اور مالدار خاتون تھیں۔ ان کے والد خُویلد بن اسد ایک اچھے تاجر تھے۔ وہ اپنی لڑکی کے لئے کافی سرمایہ چھوڑ کر مرے۔ پھر خدیجہ کی شادی مکہ کے دو تاجروں سے ہوئی۔

اولاً ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے، اور ان کے مرنے کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی سے۔ یہ دونوں کچھ کچھ عرصہ کے بعد انتقال کر گئے اور حضرت خدیجہ کو دونوں کی دولت وراثت میں ملی۔ اس طرح حضرت خدیجہ بیوہ ہونے کے باوجود مکہ کی سب سے زیادہ مال دار خاتون بن گئیں۔ قریش کے شرفاء اور دولت مند لوگ ان سے نکاح کی خواہش کرنے لگے۔ اسی درمیان میں ایک تجارتی تعلق کے ذیل میں ان کا تعارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ آپ دنیوی دولت سے خالی تھے مگر حضرت خدیجہ آپ کے کردار اور آپ کی شرافت سے متاثر ہوئیں اور خود ہی آپ سے نکاح کا پیغام بھجوایا۔ چنانچہ دونوں کا نکاح ہو گیا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی۔ جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجہ کی قبر ہر آنے جانے والے کو یاد دلاتی ہے کہ تم کو دولت کے مقابلہ میں کردار کو اہمیت دینا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری ملی تو وہ فوراً آپ پر ایمان لائیں۔ اس مشن میں آپ کو سخت ترین مصیبتیں پیش آئیں۔ حضرت خدیجہ کی ساری دولت اس مشن کی راہ میں خرچ ہو گئی مگر انھوں نے کبھی اُف نہ کیا۔ ہر سختی جو آپ پر پڑی اس کو سہنے میں وہ برابر کی شریک رہیں۔ وہ آپ کی صرف بیوی نہ تھیں بلکہ پورے معنوں میں آپ کی زندگی کی ساتھی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ بتاتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر کسی مقام پر تھے کہ حضرت جبریل آئے اور کہا کہ اے خدا کے رسول، یہ خدیجہ آپ کے لئے کھانا لئے ہوئے آرہی ہیں۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے رب کی طرف سے اور پھر میری طرف سے ان کو سلام کہئے اور ان کو جنت کے ایک محل کی بشارت دے دیجئے جو موتیوں کا بنا ہوا ہوگا۔ اس محل میں نہ کوئی شور ہوگا اور نہ کوئی تکلیف (بخاری و مسلم) حضرت خدیجہ کا انتقال نبوت کے دسویں سال (۶۲۰ء) میں ہوا۔ حضرت عائشہ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار فرمایا: خدیجہ مجھ پر ایمان لائیں جب کہ لوگوں نے میرا انکار کر دیا۔ انھوں نے میری تصدیق کی جب کہ لوگوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ انھوں نے اپنے مال میں مجھ کو شریک کیا جب کہ لوگوں نے مجھ کو مال سے روکا۔ حضرت خدیجہ کی قبر تاریخ کی انتہائی معیاری خاتون کی یاد دلاتی ہے، ایسی خاتون جو اپنے رفیق زندگی کے لئے کبھی مسئلہ نہیں بنی۔ جس نے تکلیف کے دنوں میں بھی اپنے رفیق زندگی کا اسی طرح ساتھ دیا جس طرح آرام کے دنوں میں۔

۵۔ جنت المعلیٰ کے باسیوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر بھی ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ اپنے والد کے بعد ایمان لائے۔ رسول اللہ کے زمانہ میں ان کا شمار نوعمر صحابہ میں ہوتا تھا۔ خدا ترس ہونے کے ساتھ وہ ایک بہادر اور مدبر انسان تھے۔ وہب بن کیسان کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضؓ نے مجھ کو نصیحت نامہ بھیجا اور اس میں لکھا: خدا سے ڈرنے والا وہ ہے جس نے بلاؤں پر صبر کیا اور اللہ کے فیصلہ پر راضی رہا اور نعمتوں کا شکر ادا کیا اور قرآن کے حکم کے آگے جھک گیا (من صبر علی البلاء ورضی بالقضاء وشکر النعماء وذل لحکم القرآن)

خلیفہ چہارم حضرت علی بن ابی طالب رضؓ کے بعد خلافت کا بار سنبھالنے کے لئے پورے عالم اسلام میں جو چند شخصیتیں موزوں ترین تھیں ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن زبیر تھے۔ وہ بہادری اور دانش مندی اور تقویٰ

میں کمال درجہ رکھتے تھے۔ حجاز اور عراق کے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ تاہم وہ عبدالملک بن مروان کے عامل حجاج بن یوسف سے جنگ کرتے ہوئے ۷۳ھ میں شہید ہوگئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی قبر ایک ایسے بلند انسان کی یاد دلاتی ہے جو حق کے آگے پوری طرح جھکا ہوا تھا مگر وہ ظلم اور بے انصافی کے آگے جھکنا نہیں جانتا تھا۔

۶۔ ابوجعفر منصور (۱۵۸ — ۱۰۱ھ) عباسی خلفاء میں ایک نہایت قابل اور مدبر خلیفہ تھا۔ یہی خلیفہ ہے جس نے عراق کے شہر بغداد کی بنیاد رکھی اور اس کو اتنی ترقی دی کہ اپنے وقت میں وہ علم اور سیاست دونوں اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ اس کے زمانہ میں عجمی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کثرت سے عربی زبان میں ہوئے۔ سنسکرت کی کتاب کا مشہور عربی ترجمہ کلیلہ ودمنہ بھی اسی کے زمانہ میں ہوا۔ تمام حکمرانوں کی طرح اگرچہ اس نے بھی اپنے سیاسی حریفوں پر مظالم کئے اور ان کو قتل کرایا۔ تاہم پرامن رعایا کے لئے وہ ایک بہترین حکمراں کی حیثیت رکھتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابوجعفر منصور موٹا کپڑا پہنتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات اس کے کرتے میں پیوند دکھائی دیتے تھے۔ اسی بنا پر جعفر بن محمد صادق نے اس کے بارے میں کہا تھا: خدا کا شکر ہے کہ اس نے منصور کو بادشاہ ہونے کے باوجود اپنی ذات کے لئے فقر میں مبتلا کر دیا ہے۔

ابوجعفر منصور ذی قعدہ ۱۵۸ھ میں بغداد سے مکہ کے لئے حج کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مگر وہ مکہ کے قریب پہنچا تھا کہ سخت بیمار ہوگیا اور وہیں حالت سفر میں اس کا انتقال ہوگیا۔ وفات کے بعد اس کو قریبی قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن کر دیا گیا۔

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ زینب، رُقیہ، ام کلثوم، فاطمہؓ۔ یہ چاروں صاحبزادیاں حضرت خدیجہ کے بطن سے تھیں۔ ان میں سے ابتدائی تین صاحبزادیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں انتقال کر گئیں۔ حضرت فاطمہ نے آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکوں کی تعداد تین تھی۔ تینوں لڑکے بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ ان میں سے قاسم اور عبداللہ حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور مکہ کے ابتدائی زمانہ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ تیسرے صاحبزادہ ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ انھوں نے تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں ۱۰ھ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں دفن کئے گئے۔ ابراہیم بہت تندرست اور ہونہار تھے وہ شکل و صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ ملتے جلتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گود میں اٹھالیا اور کہا: اے ابراہیم، اللہ کے فیصلہ کے مقابلہ میں ہم تمہارے کچھ کام نہیں آسکتے (یا ابراھیم لا نغنی عنک من اللہ شیئا)

نوٹ: یہ تقریر ۳ر نومبر ۱۹۸۰ء کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی۔

اللہ کو بہت یاد کرو

حافظ حامد حسن علوی (۱۹۵۹ - ۱۸۷۲) اعظم گڑھ کے ایک صاحب طریقت بزرگ تھے۔ ان کے خلیفہ مولانا سعید احمد صاحب مرحوم نے ایک بار حافظ صاحب قبلہ سے پوچھا کہ قرآن میں آتا ہے کہ اللہ کا ذکر کثیر کرو (احزاب ۴۱) اس کا مطلب کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے بہت سے لوگوں سے پوچھا کہ ذکر کثیر (بہت یاد) کا اطلاق کتنے عدد پر ہوتا ہے تو لوگوں نے مختلف اعداد بتائے۔ کسی نے کہا ۲۵ ہزار بار اللہ کا نام لینا ذکر کثیر ہے، کسی نے کہا، ۵۰ ہزار بار ذکر کرنا ذکر کثیر ہے۔ مگر ۲۵ ہزار یا ۵۰ ہزار تو گنتی کی حد نہیں ہیں۔ ان سے آگے بھی گنتیاں ہیں۔ اس قسم کے کسی محدود عددی نصاب کو ذکر کثیر کیسے کہا جا سکتا ہے۔ خدا لامحدود ہے، اس لئے اس کا ذکر کثیر بھی ایسی گنتی پر ختم ہونا چاہئے جو گنتی کی آخری حد ہو۔

حافظ حامد حسن علوی نے جواب دیا: ذکر کے معنی ہیں عدم نسیان۔ نہ بھولنے کی حالت۔ مثلاً ایک شخص کو حکومت کا افسر یہ حکم سنا دے کہ اتوار کے دن تم کو پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ تو اس خبر کو سننے کے بعد اگرچہ وہ آدمی روزمرہ کے معمولات میں مشغول نظر آئے گا۔ وہ کھائے پیئے گا، بیوی بچوں کے ساتھ رہے گا۔ مگر اس کا ذہن ہر لمحہ پھانسی کے ذکر (یاد) میں مشغول رہے گا۔ وہ کسی حال میں بھی اس سے غافل نہ ہو پائے گا۔ بس اس مثال سے ذکر کی حقیقت سمجھ سکتے ہو۔

ذکر حقیقۃً ایک مستقل یاد کا نام ہے نہ کہ کوئی عددی نصاب پورا کرنے کا۔ جب آدمی اللہ کو پالیتا ہے تو وہ اس کی روح میں سما جاتا ہے، وہ اس کے خون میں تیرنے لگتا ہے۔ ہر موقع پر اس کو خدا کا خیال آتا رہتا ہے۔ زندگی کا ہر واقعہ اس کو خدا کی یاد دلانے والا بن جاتا ہے۔ اسی کا نام ذکر ہے۔ یہ یاد کبھی سینہ کی کسک بن کر اس کو تڑپا دیتی ہے۔ کبھی اس کے دل کو پگھلا کر آنسوؤں کی صورت میں بہہ پڑتی ہے۔ کبھی خوف یا محبت کے کلمہ کی صورت میں اس کی زبان پر آجاتی ہے۔ کبھی شکر یا دعا بن کر اس کی زبان سے ٹپک پڑتی ہے۔

ذکر کسی قسم کے رٹے ہوئے الفاظ کو دہرانا نہیں ہے، ذکر دل کی ایک حالت کا نام ہے۔ دل کے اندر اٹھنے والی یہ موجیں کبھی الفاظ کی صورت میں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں، یہ الفاظ ذکر و دعا کے معروف الفاظ بھی ہو سکتے ہیں اور غیر معروف الفاظ بھی، وہ عربی میں بھی ہو سکتے ہیں اور آدمی کی اپنی مادری زبان میں بھی۔ مگر ذکر یقینی طور پر کسی قسم کے تکرار الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ اس قلبی حالت کا نام ہے جس کے نتیجہ میں خدا کو یاد کرنے والے الفاظ زبان سے نکل پڑتے ہیں۔ الفاظ کی تکرار کو ذکر کہنا ایسا ہی ہے جیسے ریکارڈ کی آواز کو ایک زندہ انسان کا کلام کہا جائے۔

بندوں کے ساتھ جو کروگے وہی خدا تمھارے ساتھ کرے گا

عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: جو حاکم ضرورت مندوں اور کمزور لوگوں کے لئے اپنا دروازہ بند کرے گا تو اللہ اس کی حاجت اور اس کی ضرورت اور اس کی مسکینی کے وقت اس کے لئے آسمان کے دروازے بند کر دے گا (ما من امام یُغلق بابہ دون ذوی الحاجۃ والخلۃ والمسکنۃ الا اغلق اللہ ابواب السماء دون خلتہ وحاجتہ ومسکنتہ، ترمذی)

برائی کا جواب بھلائی سے دینا

قال عمر: ماعاقبتَ من عصی اللہ فیک بمثل ان تطیع اللہ فیہ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۶۴)

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص تمھارے معاملہ میں اللہ کی نافرمانی کرے، اس کا سب سے اچھا بدلہ یہ ہے کہ تم اس کے معاملہ میں اللہ کی فرماں برداری کرو

لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے صبر کرو

حضرت احنف بن قیس تابعی فرماتے ہیں: جو شخص ایک کڑوی بات پر صبر نہیں کرے گا اس کو بہت سی کڑوی باتیں سننی پڑیں گی۔ بہت بار میں غصہ کو اس لئے پی گیا کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو اس سے بھی زیادہ سخت چیز کا اندیشہ تھا (من لم یصبر علی کلمۃ سمع کلمات ورب غیظ تجرعتہ مخافۃ ما ھو اشد منہ)

کسی کے خلاف زیاتی ہوجائے تو اس کی تلافی کے لئے اس کے حق میں دعا کیجئے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اللّٰھم انی اتخذ عندک عھدا لن تخلفہ۔ انما انا بشر فای المومنین آذیتہ او شتمتہ او جلدتہ او لعنتہ فاجعلھا صلاۃ وزکاۃ وقربۃ تقربہ بھا یوم القیامۃ (صحیح ابن منیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! میں تجھ سے ایک عہد لیتا ہوں تو اس کے خلاف نہ ہونے دے۔ میں صرف ایک بشر ہوں، پس میں نے جس مسلمان کو تکلیف دی ہو یا اس کو گالی دی ہو یا اس کو مارا ہو یا اس پر لعنت کی ہو تو تو اس کو اس شخص کے حق میں رحمت اور پاکیزگی بنا دے اور اس کو قربت بنا دے جس کے ذریعہ وہ قیامت کے دن تیرا قرب حاصل کرے۔

جو دوسرے کا برا چاہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے

قال ابو العیناء قلت لاحمد بن ابی دواد ان قوما تظاھروا علیّ۔ قال: ید اللہ فوق ایدیھم (فتح) قلت انھم عدد وانا واحد۔ قال: کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ (بقرہ) قلت ان للقوم مکرا۔ قال: ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ (فاطر)

ابو العیناء کہتے ہیں۔ میں نے احمد بن ابی دواد سے کہا کہ کچھ لوگوں نے میرے اوپر چڑھائی کی ہے۔ انھوں نے کہا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔ میں نے کہا وہ لوگ تعداد میں زیادہ ہیں اور میں اکیلا ہوں۔ انھوں نے کہا کتنے چھوٹے گروہ اللہ کے حکم سے بڑے گروہ پر غالب آئے ہیں۔ میں نے کہا ان لوگوں نے تدبیریں کر رکھی ہیں۔ انھوں نے کہا بری تدبیر کا

وبال تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے (قرآن)

ناحق میں کسی کا ساتھ دینا گناہ ہے

واسلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عصبیت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کہ تم ظلم میں اپنے لوگوں کی حمایت کرو (ان تعین قومک علی الظلم، ابوداؤد)

ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنا خواہ وہ کم زور ہو یا طاقت ور

معاویہ بن ابی سفیان نے ضرار صدائی سے کہا کہ اے ضرار، مجھ سے علی کی صفت بیان کرو (یا ضرار صف علیا) اس کے جواب میں انھوں نے جو کچھ کہا اس کے چند جملے یہ تھے: وہ ہمارے اندر ایک شخص کی مانند تھے۔ کوئی طاقت ور اپنے باطل میں ان سے امید نہ کر سکتا تھا اور کوئی کمزور ان سے عدل پانے میں مایوس نہ ہو سکتا تھا (کان فینا کاحدنا لا یطمع القوی فی باطلہ ولا ییأس الضعیف من عدلہ)

جو معافی طلب کرے اس کی معافی قبول کرو

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَنْ اَتَاہُ اَخُوہُ مُتَنَصِّلاً فَلْیَقْبَلْ ذٰلِکَ مُحِقًّا کَانَ اَوْ مُبْطِلاً فَاِنْ لَمْ یَفْعَلْ لَمْ یَرِدْ عَلَیَّ الْحَوْضَ (ترغیب وترہیب بحوالہ حاکم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کے پاس اس کا مسلمان بھائی صفائی کرنے کے لئے آئے تو اس کو چاہیے کہ اس کا عذر قبول کرے خواہ وہ صحیح کہہ رہا ہو یا غلط۔ اگر وہ عذر قبول نہ کرے گا تو وہ حوض کوثر پر مجھ تک نہیں پہنچے گا۔

قرآن میں غیبت کی تین قسمیں

قال الحسن الغیبۃ ثلاثۃ اوجہ کلھا فی کتاب اللہ تعالیٰ: الغیبۃ والافک والبھتان۔ فاما الغیبۃ فھو ان تقول فی اخیک ما ھو فیہ۔ واما الافک فان تقول فیہ ما بلغک۔ واما البھتان فان تقول فیہ ما لیس فیہ

حسن بصری نے کہا، غیبت کی تین صورتیں ہیں۔ غیبت، افک اور بہتان۔ غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں وہ بات کہو جو اس کے اندر موجود ہے۔ افک یہ ہے کہ اس کے بارے میں وہ بات کہو جو تم کو پہنچے۔ بہتان یہ ہے کہ اس کے بارے میں وہ بات کہو جو اس کے اندر نہیں ہے۔

مومن کا سلوک دوسروں کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا:

قد ترک نفسہ من ثلاث: المراء والاکبار و مالا یعنیہ۔ وترک الناس من ثلاث: کان لا یذم احدا ولا یعیبہ ولا یطلب عورتہ ولا یتکلم الا فیما رجا ثوابہ (الشمائل للترمذی)

تین چیزوں سے آپ نے اپنے آپ کو بچا رکھا تھا۔ جھگڑا، گھمنڈ اور لایعنی کام۔ اور لوگوں کو بھی تین چیزوں سے محفوظ رکھا تھا۔ آپ کسی کی برائی نہ کرتے، کسی کو عیب نہ لگاتے۔ آپ کسی کی کمزوریوں کے پیچھے نہ پڑتے۔ آپ صرف اس معاملہ

میں گفتگو کرتے جس سے کسی ثواب کی امید ہوتی۔

کم بولنا اور کسی کے خلاف دل میں شکایت نہ ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کا انتقال ہونے لگا۔ لوگ ان کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کا چہرہ چمک رہا ہے لوگوں نے سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: میرے پاس اپنے اعمال میں سب سے زیادہ قابل اعتماد میری دو عادتیں ہیں۔ ایک یہ کہ میں بے فائدہ بات نہیں کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ میرا دل مسلمانوں کے معاملہ میں بالکل صاف تھا (کنت لا اتکلم فیما لا یعنینی و کان قلبی سلیماً للمسلمین، جامع العلوم والحکم ۹۹)

برے سلوک کے جواب میں اچھا سلوک کرنا

عن عُبادۃَ بنِ الصامتِ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ادلکم علی ما یرفع اللہ بہ الدرجاتِ۔ قالوا نعم یا رسول اللہ قال تحلم علی من جہل علیکَ وتعفوا عمن ظلمکَ وتعطی من حرمکَ وتصل من قطعکَ (ترغیب وترہیب بحوالہ بزار وطبرانی)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو وہ کام نہ بتادوں جس سے اللہ درجات کو بلند کرتا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں اے خدا کے رسول۔ آپ نے فرمایا: جو تمھارے ساتھ جہالت کرے اس کے ساتھ تم بردباری کرو۔ جو تمھارے اوپر ظلم کرے اس کو تم معاف کردو۔ جو تم کو نہ دے تم اس کو دو۔ جو تمھارے ساتھ قطع رحم کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

غصہ پی جانے سے ایمان بڑھتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غصہ کو پی جائے حالاں کہ وہ اس کو نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ اس کے دل کو ایمان اور سکون سے بھر دیتا ہے (من کظم غضبا وھو یقدر علی انفاذہ ملأ اللہ قلبہ امنا وایمانا)

عبادت، اتحاد، خیر خواہی

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تین عمل سے راضی ہوتا ہے۔ وہ اس پر راضی ہوتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اللہ کی رسی کو خوب پکڑلو اور متفرق نہ ہو۔ اور جو تمھارے معاملات کا ذمہ دار ہو اس کے ساتھ خیر خواہی کرو۔ مسند احمد میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے خیف میں خطبہ دیتے ہوئے کہا: تین چیزیں ہیں جن کے بارے میں مومن کا قلب کبھی خیانت نہیں کرتا۔ خالص اللہ کے لئے عمل۔ امرار کے ساتھ خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کو پکڑے رہنا (اخلاص العمل للہ ومناصحۃ ولاۃ الامر ولزوم جماعۃ المسلمین)

گمان کی بات پر نہ جاؤ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گمان کی تحقیق نہ کرو (اذا ظننتم فلا تحققوا، احکام القرآن للجصاص)

جس کی بات ہو خود اس سے تحقیق کئے بغیر نہ ماننا

ابوالعالیہ تابعی (متوفی ۹۳ ھ) کہتے ہیں: ہم بصرہ میں لوگوں سے سنتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ایسا کہا ہے۔ مگر ہم اس طرح سننے پر راضی نہ ہوتے تھے بلکہ ہم سوار ہو کر مدینہ جاتے اور وہاں صحابی کی اپنی زبان سے حدیث کو سنتے (کنا نسمع الروایۃ عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن بالبصرۃ۔ فما نرضی حتی نرکب الی المدینۃ فنسمعھا من افواھھم، الکفایہ فی علم الروایہ، خطیب بغدادی صفحہ ۴۰۳)

عمومی فساد ہمیشہ انفرادی شرارت سے پیدا ہوتا ہے

واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرنٰھا تدمیرا (اسراء ۱۶)

اور جب ہم کسی بستی کو غارت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سرکش لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ شرارت کرتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اس آیت کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا: یعنی ان کے اوپر ہم ان کے شریر لوگوں کو مسلط کر دیتے ہیں۔ پھر وہ نافرمانی کرتے ہیں۔ جب وہ ایسا کر لیتے ہیں تو اللہ ان کو عذاب بھیج کر ہلاک کر دیتا ہے (سلطنا اشرارھا فعصوا فیھا فاذا فعلوا ذلک اھلکھم اللہ بالعذاب، تفسیر ابن کثیر)

اجازت نہ ملے تو برا مانے بغیر واپس آجانا

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزید علی ثلاث تسلیمات فان اذن لہ والا انصرف (رواہ البزار عن انس بن مالک)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے یہاں جاتے تو تین بار سلام کرتے۔ اگر اجازت مل جاتی تو ملتے ورنہ واپس ہو جاتے۔

اپنی ذات سے زیادہ ماں باپ کا خیال کرنا

حضرت ابو ہریرہ کو اپنے ماں کے حقوق ادا کرنے کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ مدنی زندگی کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں اپنے گھر سے نکلا اور مسجد پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اور بھی کئی لوگ ہیں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس وقت تم کو کیا چیز یہاں لے آئی ہے۔ میں نے کہا بھوک۔ انھوں نے کہا: خدا کی قسم ہم بھی صرف بھوک کی وجہ سے اس وقت یہاں آئے ہیں۔ پھر ہم سب لوگ اٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا کہ اس وقت تم لوگ کیسے یہاں آئے۔ ہم نے بتایا۔ آپ نے ایک برتن منگوایا جس میں کھجوریں تھیں۔ آپ نے ہم میں سے ہر شخص کو دو کھجوریں دیں اور کہا کہ ان دو کھجوروں کو کھاؤ اور اس کے بعد پانی پیو۔ وہ تمھارے آج کے لئے کافی ہو جائیں گی۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک کھجور کھائی اور دوسری کھجور چھپا کر رکھ لی۔ آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ تم نے کیوں ایک کھجور رکھ لی۔ میں نے کہا کہ اپنی ماں کے لئے۔ آپ نے فرمایا: اس کو کھاؤ، تمھاری ماں کے لئے ہم اور دو کھجوریں دے دیں گے۔

مسلمان کی ہر مصیبت اپنی لائی ہوئی ہوتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز رات کو باہر نکلے۔ آپ انصار کی ایک بستی بنو معاویہ کی مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد غیر معمولی طور پر لمبی دعا فرمائی۔ حضرت خباب کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے خدا کے رسول، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آج کی رات آپ نے ایسی نماز پڑھی جیسی نماز اس سے پہلے میں نے آپ کو پڑھتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں وہ رغبت اور خوف کی نماز تھی۔ میں نے اللہ عزوجل سے تین چیزیں مانگیں۔ اللہ نے مجھ کو دو چیزیں دے دیں اور ایک سے انکار فرمایا۔ میں نے اپنے رب سے مانگا کہ ہم کو اس طرح ہلاک نہ کرے جس طرح پچھلی امتوں کو ہلاک کیا تھا۔ اللہ نے اس کو قبول فرمایا۔ پھر میں نے اپنے رب سے مانگا کہ وہ ہمارے اوپر ہمارے علاوہ کسی دشمن کو غالب نہ کرے۔ اللہ نے اس کو قبول فرمایا۔ پھر میں نے اپنے رب سے مانگا کہ وہ ایسا نہ کرے کہ ہم کو گروہوں میں تقسیم کر دے (اور ایک کو دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھائے) اللہ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ سألت ربی عز وجل ثلاث خصال فاعطانی اثنتین ومنعنی واحدۃ۔ سألت ربی ان لا یھلکنا بما اھلك بہ الامم فاعطانیھا۔ وسألت ربی ان لا یظھر علینا عدوا من غیرنا فاعطانیھا وسألت ربی ان لا یلبسنا شیعا فیذیق بعضھم بأس بعض) فمنعنیھا، رواہ الترمذی)

سخت بات پر مشتعل نہ ہونا

خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک روز لوگوں کے سامنے کہا کہ تم میں سے جو شخص میرے اندر ٹیڑھ دیکھے تو وہ اس کو سیدھا کر دے۔ یہ سن کر ایک آدمی اٹھا اور کہا: خدا کی قسم اگر ہم تمہارے اندر ٹیڑھ دیکھیں گے تو اس کو ہم اپنی تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا: اس خدا کا شکر ہے جس نے امت محمدؐ میں ایسے لوگ بنائے جو عمر کی ٹیڑھ کو تلوار سے سیدھا کر دیں (خاطب عمر بن الخطاب اصحابہ ذات یوم فقال: من وجد فی اعوجاجا فلیقومہ، فنھض رجل وقال: واللہ لو وجدنا فیك اعوجاجا لقومناہ بسیوفنا۔ فقال عمر: الحمد للہ الذی جعل فی امۃ محمد من یقوم اعوجاج عمر بالسیف)

اجتماعی زندگی ہر حال میں ضروری ہے

عن ابی الدرداء قال سمعتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقولُ ما من ثلثۃٍ فی قریۃٍ ولا بدوٍ لا تُقامُ فیھمُ الصلوٰۃُ الا استحوذَ علیھم الشیطانُ فعلیکُم بالجماعۃِ فانّما یاکل الذئبُ من الغنم القاصیۃَ وان ذئبَ الانسانِ الشیطانُ اذا خلابہ اکلہ (ترغیب وترہیب)

حضرت ابو الدرداء رضؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: جس بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہاں باجماعت نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ اس لئے جماعت کو ضروری سمجھو۔ بھیڑیا اکیلی بکری کو کھا جاتا ہے اور آدمیوں کا بھیڑیا شیطان ہے۔

اختلاف کو تعلقات کے بگاڑ تک نہ لے جانا

امام طبری نے روایت کیا ہے کہ ایک بار حضرت خالد بن ولید اور حضرت سعد بن وقاص میں کسی ذاتی معاملہ میں اختلاف ہوگیا۔ اس کے بعد کسی شخص نے حضرت سعد کے سامنے حضرت خالد کا ذکر برے الفاظ میں کرنا چاہا۔ حضرت سعد نے فوراً اس آدمی کو روک دیا اور کہا: اس کو چھوڑو، میرے اور خالد کے درمیان جو اختلاف ہے وہ میرے اور ان کے دینی تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوسکتا (مه، فان ما بيننا لم يبلغ ديننا، مجمع الزوائد)

متحد رہنا اور اقدام میں پہل نہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو، ہجرت کے دسویں سال نجران (یمن) بھیجا۔ انھوں نے وہاں اسلام کی تبلیغ کی۔ خالد بن ولید رض واپس ہوئے تو ان کے ساتھ بنو حارث بن کعب کے لوگ مسلمان ہوکر مدینہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: جاہلیت کی جنگوں میں تم کس طرح ہمیشہ غالب رہتے تھے۔ انھوں نے کہا: ہم کسی پر غلبہ حاصل نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں، مگر جو تم سے جنگ کرتا تھا، تم اس کے اوپر غالب رہتے تھے۔ انھوں نے کہا: اے خدا کے رسول جو ہم سے جنگ کرتا تھا ہم اس پر غالب رہتے تھے۔ ہم متحد رہتے تھے کبھی متفرق نہیں ہوتے تھے۔ اور کسی کے اوپر ظلم سے آغاز نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا (كنا نغلب من قاتلنا يا رسول الله، انا كنا نجتمع ولا نفترق ولا نبدأ أحدا بظلم، قال صدقتم، ابن ہشام، جزء ثانی، ۱۳۴)

بغض آدمی کے دین کو کھا جاتا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغض مونڈنے والی چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا وہ بال کو مونڈتا ہے بلکہ وہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے تم جنت میں نہیں داخل ہوسکتے جب تک مومن نہ بنو اور مومن نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ (البغضاء هي الحالقة، لا اقول تحلق الشعر ولكن تحلق الدين۔ والذي نفس محمد بيده لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابوا، جامع بيان العلم، جزء ثانی، صفحہ ۱۵۰)

بحث وجدال نیکی کو مٹا دیتا ہے

عوام بن حوشب نے کہا: لوگو دین میں جھگڑا کرنے سے بچو کیونکہ دین میں جھگڑا کرنے سے آدمی کے اعمال حبط ہوجاتے ہیں (عن العوام بن حوشب قال ایاکم والخصومات فی الدین فانها تحبط الاعمال، ابن عبد البر جامع بیان العلم وفضلہ، جزء ثانی، صفحہ ۹۳)

آپس کا اختلاف نہ ہو تو دشمن کا کوئی خطرہ نہیں

عن عوف ابن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لن يجمع الله على هذه الامة سيفين سيفاً منها وسيفاً من عدوها (ابوداؤد)

عوف بن مالک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس امت پر کبھی دو تلواروں کو جمع نہیں کرے گا۔ اس کی اپنی تلوار اور اس کے دشمن کی تلوار

حساب سے پہلے حساب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں اپنا حساب کرلو، اس سے پہلے کہ آخرت میں تمھارا حساب کیا جائے (حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا) مرنے کے بعد تمام لوگ آخرت میں خدا کی عدالت میں کھڑے کئے جانے والے ہیں، خدا کی عدالت عالم الغیب کی عدالت ہے۔ وہاں کوئی شخص اپنی کسی بات کو چھپا نہ سکے گا۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ خدا کے یہاں جس کی جانچ ہوگئی وہ ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکتا (من نوقش فقد هلك) عقل مند وہ ہے جو آخرت میں خدا کی عدالت میں کھڑا ہونے سے پہلے دنیا میں اپنے کو اپنی ضمیر کی عدالت کے سامنے کھڑا کرلے اور حساب کتاب پیش آنے سے پہلے اپنے کو درست کرلے جو شخص اپنا حساب کیے بغیر مرجائے گا، اس کا حساب خدا کرے گا۔ اور جس کا حساب خدا کرے اس کو کون بچا سکتا ہے۔

آدمی کو پیدائشی طور پر ضمیر دیا گیا ہے جو اس کو ہر بری بات پر ٹوکتا ہے۔ آدمی کے پاس خدا اور رسول کی باتیں پہنچی ہیں جن سے وہ صحیح اور غلط میں تمیز کرسکتا ہے۔ اسی ضمیر اور اسی علم کی روشنی میں اپنے کو جانچنے کا نام اپنا حساب آپ کرنا ہے۔

آپ کے ساتھ کوئی شخص غلط سلوک کرے، کسی سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو فوراً آپ کے دل کو چوٹ لگتی ہے۔ آپ اس کو ذلیل اور حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ آپ کی نظر میں اس سے زیادہ برا اور کوئی شخص نہیں ہوتا۔

مومن وہ ہے جس کے اندر یہی شدت احساس خود اپنی غلطیوں کے بارہ میں پیدا ہوجائے۔ اس سے کوئی غلطی ہو تو فوراً وہ جان لے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اپنی غلطیوں کو جاننے کے لئے وہ اتنا ہی حساس ہوجائے جتنا کوئی شخص دوسرے کی غلطیوں کو جاننے کے لئے ہوتا ہے۔ غلطی سرزد ہوتے ہی وہ تڑپ اٹھے کہ مجھ سے ایسا فعل ہوگیا جو مجھ کو خدا سے دور کردینے والا ہے۔ جو مجھ کو آخرت میں بے قیمت بنا دینے والا ہے۔ اس کا یہ احساس اتنا شدید ہو کہ اپنا وجود اس کو اپنی نظر میں حقیر معلوم ہونے لگے۔ اپنے احتساب کے لئے وہ اس سے زیادہ بے رحم ہوجائے جتنا کوئی شخص اپنے دشمن کے احتساب کے لئے ہوتا ہے۔

ایسے ہی لوگ اللہ والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیا تاکہ ان کے لئے اللہ کے یہاں جنت ہو۔ جو لوگ دنیا میں اس قسم کی متقیانہ زندگی کا ثبوت دیں وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کی دنیا میں جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ ان کا رب ان سے ملاقات کے عظیم دن کہے گا کہ آج تمھارے اوپر کوئی الزام نہیں۔ ان کے لئے جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے اور خدا کی طرف سے پکارنے والا پکارے گا: ابدی باغوں میں بنے ہوئے یہ جنتی مکانات آج تمھاری وراثت میں دے دیئے گئے۔ جس دروازہ سے چاہو اس میں داخل ہوجاؤ۔ آج کے بعد نہ تمھارے لئے کوئی غم ہے اور نہ تکلیف۔

خدا کے دوست

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:

ان الله تعالیٰ قال: من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیٔ احبّ الیّ مما افترضته علیه ولایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احبّه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها ولئن سألنی لاعطینّه ولئن استعاذنی لاعیذنّه (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے کسی دوست کے ساتھ دشمنی کرے تو میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیتا ہوں۔ میری سب سے زیادہ محبوب چیز جس سے میرا بندہ میری قربت حاصل کرتا ہے وہ ہے جو میں نے اس کے اوپر فرض کی ہے۔ اور میرا بندہ نفل اعمال کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور اس کو دیتا ہوں اگر وہ میری پناہ چاہے تو میں ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں بندوں کے اوپر فرض کی ہیں۔ مثلاً پانچ وقت کی نماز۔ سال میں مقرر شرح سے زکوٰۃ، جائز حدود میں کمائی وغیرہ۔ مگر آدمی کا تعلق جب اللہ سے بڑھتا ہے تو اس کا عمل فرض کے دائرہ میں محدود نہیں رہتا۔ اللہ کی طرف بڑھی ہوئی توجہ اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ حد سے آگے بڑھ کر عمل کرے۔ وہ پانچ وقتوں کے علاوہ اوقات میں بھی اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے۔ وہ مقررہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ وہ اللہ کے کام میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ جائز حدود میں کمائی کرنے کا موقع بھی اس کے لئے باقی نہیں رہتا۔ کوئی آدمی جب اپنے کو اللہ میں اس طرح شامل کرتا ہے تو اس کے بعد اس کا پورا وجود اللہ میں ڈھل جاتا ہے۔ وہ شعور کی اس سطح پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کا شعور اللہ کے شعور سے الگ نہیں رہتا۔ معاملات کا تجزیہ کرنا، معاملات کے بارے میں رائے قائم کرنا، معاملات میں تدبیریں اختیار کرنا، غرض اس کا ہر عمل سنت الٰہی کے مطابق ہو جاتا ہے۔

اللہ کا جو بندہ اپنے آپ کو اس طرح اللہ میں شامل کر لے وہ اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔ اللہ اس کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو دوست کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ایسا بندۂ خدا خواہ بظاہر کمزور رہو مگر اس کی پشت پر خدا کھڑا ہوتا ہے۔ اس سے لڑنا خدا سے لڑنے کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے فہم اور ذوق کے اعتبار سے ایسا بن جاتا ہے کہ خدا سے وہی چیز مانگے جو اس سے مانگنے کی ہے۔ اس لئے جب وہ مانگتا ہے تو خدا ضرور اس کی مانگ کو پورا کرتا ہے۔ وہ اس سے اسی چیز کی پناہ چاہتا ہے جس کی پناہ کے لئے خدا سے درخواست کرنا چاہیے، اس لئے جب وہ خدا سے پناہ مانگتا ہے تو خدا ضرور اس کو اپنی پناہ عطا کرتا ہے۔

قناعت

مولانا حمید الدین فراہی (۱۹۳۰-۱۸۶۳) ایک مخلص عالم تھے۔ ابتداءً وہ علی گڑھ اور حیدر آباد کی یونیورسٹیوں میں استاد رہے۔ آخر عمر میں وہ مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر اعظم گڑھ) میں مقیم ہو گئے اور قرآن اور تعلیم دین کی خدمت کرتے ہوئے عمر گزار دی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے ان کی وفات کے بعد جو مضمون لکھا اس کا ایک ٹکڑا یہ تھا:

> سادہ کھاتے، سادہ پہنتے، دنیا سے بہ قدر ضرورت لیتے کھانا کھا رہے ہیں، دسترخوان پر صرف دال اور روٹی ہے دال میں نمک کم ہے بلا کسی ناخوشی کے اوپر سے نمک ملایا اور چہرہ تک سے ناگواری نہ ظاہر ہونے دی۔ دوسرے دن پھر وہی کھانا آج نمک بہت زائد ہو گیا ہے اسی انداز سے اٹھے اور آج پانی ملا کر پھر اس ناخوش گوار کو خوش گوار بنا لیا شریک طالب علم کچھ جھنجلائے، کچھ دنگ رہ گئے منہ سب نے بنایا فرمایا بھائی بات کچھ نہیں ایک چٹنی تیار رکھو بغیر پیسہ کوڑی کے خرچ سے تیار ہو جاتی ہے۔ جس کھانے میں ملا لو گے۔ مزہ دار ہو جائے گا۔ چٹنی کا نام ہے قناعت!

قناعت محض ایک درویشانہ عادت نہیں، وہ زندگی کی ایک زبردست حقیقت ہے۔ قناعت دراصل اس پختہ مزاجی کا نام ہے کہ آدمی ان حالات کے ساتھ موافقت کر کے رہ سکے جن کو وہ بدل نہیں سکتا۔ موجودہ دنیا میں اس مزاج کی ضرورت ایک عام آدمی کو بھی ہوتی ہے اور ایک بادشاہ کو بھی۔ عام آدمی کو اگر یہ نعمت حاصل ہو جائے تو وہ اپنے بے مزہ سالن کو ہنسی خوشی کھا کر اپنے کام میں لگ جائے گا، نہ کہ وہ اس پر غصہ ہو کر اپنے وقت اور اپنی طاقت کو خواہ مخواہ برباد کرے۔ اسی طرح اگر "بادشاہ" کو یہ نعمت مل جائے تو وہ عوام کے جمہوری رجحانات سے موافقت کر کے اپنی بادشاہت کو دیر تک باقی رکھ سکتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ عوامی تقاضوں سے لڑنے لگے اور بالآخر اپنے تخت و تاج کو کھو دے۔ قناعت اکثر نفسیاتی امراض کا علاج ہے۔

امریکہ کے ایک شخص نے اندیشے (Fears) کے بارے میں معلومات جمع کیں بہت سے لوگوں سے مل کر اس نے پوچھا کہ آپ کو کس قسم کے اندیشے لاحق ہوئے اور ان کا انجام کیا رہا۔ تحقیق کے بعد اس نے پایا کہ بیشتر اندیشے ایسے تھے جو صرف اندیشے ثابت ہوئے، وہ کبھی واقعہ نہیں بنے۔ حالاں کہ ان لوگوں نے اپنے ان امکانی اندیشوں کے غم میں اپنی صحتیں برباد کر لیں اور دوسرے بہت سے نقصانات کر ڈالے۔

"اندیشہ" ہر آدمی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ہر آدمی اپنے حالات کے اعتبار سے طرح طرح کے اندیشوں میں

مبتلا رہتا ہے جو اس کے سکون کو غارت کرتے رہتے ہیں۔ آدمی کے اندر اگر قناعت کا مزاج آجائے تو اس کو خود بخود اس قسم کے پیشگی اندیشوں سے نجات مل جائے گی۔ جب آدمی کا حال یہ ہو کہ اس کو جو مل جائے اسی پر وہ راضی رہے تو اندیشوں کی بنیاد پر پریشان ہونے کی کیا ضرورت۔ قناعت کا ہر شخص کو یہ پیغام ہے ——— دنیوی نقصان کا غم نہ کرو۔ اگر وہ ہو چکا ہے تو وہ ایک ہونے والی بات تھی جو ہوئی۔ اور اگر وہ صرف ایک اندیشہ ہے تو بہت سے اندیشے ایسے ہیں کہ آدمی ان کے لئے اپنے آپ کو پریشان کرتا ہے حالاں کہ وہ کبھی واقع نہیں ہوتے۔

قناعت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ آدمی کو دنیا کے مسائل میں غیر ضروری طور پر الجھنے سے بچاتی ہے اور اس طرح اس کو موقع دیتی ہے کہ وہ اپنے وقت اور اپنی قوت کو زیادہ سے زیادہ آخرت کے کاموں میں لگا سکے۔ آخرت کے مسافر کے لئے قناعت اتنی ہی ضروری ہے جتنا دنیا کے مسافر کے لئے حرص۔ جس آدمی کے اندر حرص نہ ہو وہ متاع دنیا کا مالک نہیں بن سکتا۔ اسی طرح جس کے اندر قناعت نہ ہو وہ متاع آخرت کو پانے سے محروم رہے گا۔

قناعت کی اسی اہمیت کی بنا پر دین میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا جس کو بقدر ضرورت رزق ملا اور اللہ نے اس کو جو کچھ دیا اس پر اس نے قناعت کیا (قد افلح من اسلم ورزق کفافاً وقنّعه الله بما آتاه، اخرجہ مسلم والترمذی)

انسان کی خواہشیں لامحدود ہیں اور دنیا کی چیزیں محدود۔ آدمی دنیا کی چیزیں خواہ کتنی ہی زیادہ حاصل کر لے وہ اس کی تسکین کے لئے ہمیشہ ناکافی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ پانے والا بھی اس دنیا میں اتنا ہی پریشان رہتا ہے جتنا کم پانے والا۔ اس لئے اس دنیا میں اگر کوئی چیز آدمی کی تسکین کا ذریعہ بن سکتی ہے تو وہ قناعت ہے۔ کیونکہ قناعت تو ہر حد پر مطمئن ہو جاتی ہے جب کہ حرص کسی حد پر مطمئن نہیں ہوتی۔

قناعت در اصل حقیقت پسندی کا دوسرا نام ہے۔ ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں مختلف وجوہ سے ہماری مرضی کے خلاف واقعات پیش آتے ہیں۔ کہیں دوسرے کو زیادہ مل جاتا ہے اور ہم کو کم۔ کہیں خود اپنی حاصل شدہ چیز کو پوری طرح استعمال کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ کہیں ایسا ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ پاتے ہیں وہ اس سے بہت کم ہوتا ہے جو ہم اپنے اندازہ کے مطابق اپنے لئے چاہتے تھے۔ کہیں کوئی ناگہانی حادثہ پیش آکر ہمارے بنے بنائے معاملہ کو بگاڑ دیتا ہے۔ ایسے تمام مواقع پر ضرورت ہوتی ہے کہ نقصان کے بعد نقصان کے غم سے اپنے کو بچایا جائے۔ اور قناعت آدمی کی زندگی میں یہی اہم خدمت انجام دیتی ہے۔ قناعت آدمی کو بے صبری سے بچاتی ہے۔ وہ تلخ یادوں کو بھلاتی ہے۔ وہ زندگی کی ناخوش گواریوں کو خوش گوار بنا دیتی ہے۔

ارتقار سائنس نہیں

ارتقار (Evolution) کا نظریہ ایک حیاتیاتی سائنس سمجھا جاتا ہے۔ یہ نظریہ بتاتا ہے کہ زمین پر جو مختلف قسم کے جان دار پھیلے ہوئے ہیں وہ کس طرح وجود میں آئے اور کس طرح اپنے آپ بڑھتے بڑھتے موجودہ حالت تک پہنچ گئے۔ ان کے نزدیک یہ سب کچھ ایک خودکار طبیعی عمل کے تحت ہوا ہے نہ کہ کسی خالق کے ارادہ کے تحت۔ ارتقار کے حامیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا یہ نظریہ ایک سائنسی حقیقت (Scientific Fact) ہے۔ یعنی وہ اسی طرح قطعی دلائل سے ثابت ہو گیا ہے جس طرح طبیعی سائنس کی دوسری حقیقتیں ثابت ہوئی ہیں۔ مگر دلائل کے "انبار" کا جائزہ لینے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محض ایک دعویٰ ہے جس کے حق میں کوئی واقعی دلیل موجود نہیں۔

سائنس "جو ہے" پر بحث کرتی ہے اور نظریۂ ارتقار "جو ہوا" پر۔ سائنس حال کا علم ہے اور ارتقار گزرے ہوئے ماضی کا علم۔ یہی فرق ارتقار کو سائنس سے جدا کر دیتا ہے۔ سائنس اپنے محدود موضوع کی بنا پر اس پوزیشن میں ہوتی ہے کہ وہ اپنے دعوے کا عملی مشاہدہ کرا سکے۔ سائنس میں جب کسی چیز کو ثابت شدہ مانا جاتا ہے تو اس کا بنیادی عنصر یہ ہوتا ہے کہ اس کو دہرایا جا سکتا ہے اور اس کے نتائج کا ہر وقت مشاہدہ کیا جا سکتا ہے:

The key element of scientific proof is that you can repeat something and observe the results

ارتقار کے حامی ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ نہ اپنے مفروضہ کو دہرا سکتے ہیں اور نہ اس کا مشاہدہ کرا سکتے ہیں۔ اس لئے ان کا یہ کہنا محض مغالطہ ہے کہ ارتقار ایک سائنسی حقیقت ہے۔

ارتقار کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں جتنی بھی زندہ چیزیں ہیں سب کی سب ایک ہی زندہ چیز سے نکلی ہیں اور یہ ابتدائی زندہ چیز خود ایک غیر زندہ مادہ سے نکلی تھی:

Evolution is the idea that all the living forms in the world have arisen from a single source which itself came from an inorganic form
G. Kerkut, Implications of Evolutions, P. 157

اس طرح ارتقار کا اصول دو مفروضوں پر قائم ہے۔ اول یہ کہ زندگی (Life) بے زندگی (Nonlife) سے پیدا ہوئی۔ دوسرے یہ کہ پہلی بار زندگی پیدا ہو کر بڑھتی اور پھیلتی رہی، یہاں تک کہ اسی سے زندگی کی وہ تمام قسمیں وجود میں آگئیں جن کو آج ہم زمین پر دیکھتے ہیں۔ مگر ان دونوں مفروضوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو آج دہرایا جا سکتا ہو۔ نہ بے زندگی سے زندگی کا نکلنا کہیں دکھایا جا سکتا ہے اور نہ ایک نوع سے بہت سی نوعوں کا وجود میں آنا۔ اس لئے یہ تمام تر ایک ذہنی قیاس ہے نہ کہ کوئی مشاہداتی واقعہ، جیسا کہ سائنسی مسلمات کے معاملہ

میں ہوتا ہے۔

ارتقاء بجائے خود کوئی مشاہداتی چیز نہیں۔ وہ صرف ایک نتیجہ (Conclusion) ہے جس کو ایک آدمی کچھ واقعات کو دیکھ کر اخذ کرتا ہے۔ مگر ارتقاء کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جو دوسرے متبادل مفروضات کو رد کرتی ہو۔ مثلاً زمین کی کھدائی سے زندہ اجسام کے پتھریلے ڈھانچے (Fossils) برآمد ہوئے ہیں۔ یہ ڈھانچے نیچے اوپر کی تہوں میں ہیں، اس طرح ان سے زمین پر حیوانات کے بسنے کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ زمین پر تمام حیوانات بیک وقت موجود نہ تھے بلکہ ایک کے بعد ایک آباد ہوئے۔ پہلے ادنیٰ حیوانات اور اس کے بعد دھیرے دھیرے اعلیٰ حیوانات یہاں تک کہ آخر میں انسان آباد ہوا۔ اس سے ارتقاء کے حامی یہ نظریہ اخذ کرتے ہیں کہ پچھلی حیاتیاتی قسموں سے اگلی حیاتیاتی قسمیں بطریق تناسل برآمد ہوتی رہیں اور انھیں میں سے ایک نوع ترقی ترقی کرتے کرتے انسان بن گئی۔

یہ ترتیب تخلیقی تاریخ کے طور پر صحیح ہو سکتی ہے۔ تاہم اس کا کوئی براہ راست ثبوت نہیں ہے کہ ایک نوع سے دوسری نوع توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آئی۔ اس سے زیادہ سے زیادہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ آباد کاری میں زمانی فرق ہے نہ کہ ایک کے پیٹ سے دوسرے کا نکلنا۔ یہاں یکساں قوت کے ساتھ یہ دوسرا نظریہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ ہر نوع الگ الگ زمانی ترتیب کے ساتھ وجود میں آئی۔ یعنی پہلے ایک نوع، پھر دوسری نوع، پھر تیسری نوع، مثلاً یہ ممکن ہے کہ واحد الخلیہ جاندار پہلے پیدا کئے گئے ہوں۔ اور پھر ترتیب وار دوسرے جانوروں کی تخلیق عمل میں آئی ہو۔ اس ضمن میں کم از کم ایک معلوم واقعہ ایسا ہے جو اس نظریہ کی تائید کرتا ہے۔ اور وہ ہے مادی دور کے بعد پہلے ذی حیات کی پیدائش۔

زمین پر آج مختلف قسم کے جان داروں کا ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ کبھی کوئی پہلا جان دار تھا۔ آج کے جانداروں کی موجودگی ہی پہلے جان دار کا وجود ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس طرح خصوصی تخلیق (Special Creation) کا نظریہ، کم از کم پہلے جان دار کی حد تک، اپنے آپ ثابت ہے۔ اس کے لئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اب جب تک واقعاتی طور پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ بے جان مادہ سے اپنے آپ ایک زندہ جسم وجود میں آتا ہے اس وقت تک ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ پہلا ذی حیات مستقلاً پیدا ہوا۔ وہ نہ کسی دوسرے ذی حیات سے وجود میں آیا اور نہ اب تک کے کسی ثبوت کے مطابق بے جان مادہ سے۔ اس لئے ہمارے واسطے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ پہلے ذی حیات کو خصوصی طور پر پیدا شدہ مانیں اور پہلے ذی حیات کے بارے میں خصوصی تخلیق ماننے کے بعد ہمارے پاس کوئی بنیاد نہیں رہتی کہ ہم کیوں دوسرے انواع حیات کے بارے میں خصوصی تخلیق کو نہ مانیں۔ اگر پہلا جان دار خصوصی طور پر پیدا ہو سکتا ہے تو بعد کے جان دار کیوں خصوصی طور پر پیدا نہیں ہو سکتے۔

اسلامی نقطۂ نظر

اس معاملہ میں جہاں تک اسلامی نظریہ کا تعلق ہے، قرآن و حدیث میں ایسے اشارے موجود ہیں جن سے ظاہر

ہوتا ہے کہ زندگی اور کائنات کی تخلیق بیک وقت نہیں ہوئی بلکہ مختلف ادوار میں ہوئی۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ خدا نے زمین و آسمان اور اس کی چیزوں کو چھ دن، بالفاظ دیگر چھ ادوار میں پیدا کیا (فرقان ۵۹) ان چھ ادوار کی تقسیم قرآن کے تتبع سے اس طرح کی جا سکتی ہے:

۱۔ ابتدائی منجمد مادہ کی تخلیق (انبیاء ۳۰)
۲۔ زمین و آسمان یعنی غیر ذی روح اشیاء کی تخلیق (انبیاء ۳۰)
۳۔ زمین کو پھاڑ کر پانی نکالنا (نازعات ۳۱)
۴۔ مختلف قسم کی سبزی اور ہریالی اگانا (نازعات ۳۱)
۵۔ مختلف قسم کے حیوانات پیدا کرنا (نحل ۵)
۶۔ انسان پیدا کرنا (آل عمران ۵۹)

بعض احادیث سے بھی اس تخلیقی ترتیب کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً صحیح مسلم کی ایک روایت ان الفاظ میں آئی ہے:

ان اللہ تعالیٰ خلق الشجر فی یوم من الایام — اللہ نے تخلیق کے چھ دنوں میں سے ایک دن درخت پیدا
السنۃ ثم خلق الحیوانات (۲۱۳) — کیا۔ اس کے بعد اس نے حیوانات کو پیدا کیا۔

ارتقار کے سلسلہ میں اب تک جو تحقیقات ہوئی ہیں وہ غیر معمولی طور پر زیادہ ہونے کے باوجود نفس نظریۂ ارتقار کو ثابت کرنے میں ناکام ہیں۔ اب تک کوئی حقیقی ثبوت اس بات کا نہیں مل سکا کہ بے جان مادہ سے کسی قسم کے طبیعی حالات کے اندر جاندار جسم از خود بن کر تیار ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ توالد و تناسل کے درمیان مخصوص طبیعی اسباب کے تحت ایک قسم کے جانور کے پیٹ سے دوسری قسم کے جانور ارتقائی طور پر نکل آتے ہیں۔ یہ چیزیں اب تک محض مفروضات ہیں۔ تاہم مختلف علمی میدان میں اس بات کے شواہد ملے ہیں جن سے اخذ ہوتا ہے کہ زندگی کے مختلف انواع کی آبادکاری زمین پر ایک ہی وقت میں نہیں ہوئی بلکہ مختلف اوقات یا ادوار میں ہوئی ہے۔ قرآن میں پہلے جزء کے حق میں کوئی تصدیقی چیز موجود نہیں ہے۔ اس لئے عقل اور نقل دونوں پہلو سے وہ ناقابل اعتبار ہیں۔ البتہ ارتقار کے دوسرے جزء (تخلیق میں زمانی ترتیب) کے متعلق قرآن و حدیث میں ایسے اشارات موجود ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں۔

قرآن و حدیث کے مذکورہ اشارات سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ اب تک کے معلوم شدہ حقائق کے پوری طرح مطابق ہے اب تک جو حقائق انسان کے علم میں آئے ہیں وہ صرف یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ مختلف انواع حیات (اور اسی طرح مختلف قسم کی مادی اشیاء بھی) بیک وقت وجود میں نہیں آئیں بلکہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد ایک وجود میں آئیں۔ یہ تخلیق میں زمانی فرق کی بات ہے اور یہ بات قرآن و حدیث کے اشارات کے مطابق ہے۔ اس کے آگے جب نظریۂ ارتقار یہ دعویٰ کرتا ہے کہ پہلا جاندار بے جان مادہ سے خود بخود نکل آیا اور اسی طرح مختلف انواع حیات ایک دوسرے کے پیٹ سے اپنے آپ نکلتی رہیں (مثلاً کیڑے کے پیٹ سے مچھلی، مچھلی کے پیٹ سے چڑیا، بکری کے پیٹ سے گھوڑا) تو یہ ارتقار کا محض ایک دعویٰ ہوتا ہے جس کو اب تک کسی دلیل سے ثابت نہ کیا جا سکا۔

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیار اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن دضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

عربی مطبوعات

مولانا وحید الدین خاں کی کتابوں کے بعض عربی ترجمے (مطبوعہ قاہرہ) برائے فروخت مکتبہ الرسالہ میں موجود ہیں:

۱- الإسلام يتحدى	۲۶۳ صفحات	قیمت ۲۰	روپے
۲- الدين في مواجهة العلم	۱۱۲ صفحات	″ ۱۰	روپے
۳- حكمة الدين	۸۷ صفحات	″ ۸	روپے
۴- الإسلام والعصر الحديث	۷۷ صفحات	″ ۸	روپے
۵- مسئوليات الدعوة	۳۹ صفحات	″ ۲	روپے
۶- نحو تدوين جديد للعلوم الإسلامية	۲۶ صفحات	″ ۲	روپے
۷- إمكانات جديدة للدعوة	۳۴ صفحات	″ ۲	روپے
۸- الشريعة الإسلامية وتحديات العصر	۳۲ صفحات	″ ۲	روپے
۹- المسلمون بين الماضي والحال والمستقبل	۷۲ صفحات	″ ۵	روپے
۱۰- نحو بعث إسلامي	۳۲ صفحات	″ ۵۰	پیسے

تعارفِ اسلام

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۴۸ قیمت -/۳ روپے

پندرہ روزہ

ترجمان

کتاب وسنت کا داعی ونقیب

زرتعاون سالانہ پندرہ روپے

دفتر اخبار ترجمان

پوسٹ بکس نمبر 1306 دہلی — ۶

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں
کے قلم سے

● **دین کیا ہے**
صفحات ۳۲ قیمت ۲/- روپے

● **تجدیدِ دین**
صفحات ۴۸ قیمت ۳/- روپے

● **مذہب اور جدید چیلنج**
صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۵/- روپے

● **تعمیرِ ملّت**
صفحات ۴۸ قیمت ۳/- روپے

● **الاسلام**
صفحات ۱۷۶ قیمت ۱۵/- روپے

● **اسلام دینِ فطرت**
صفحات ۴۸ قیمت ۳/- روپے

● **ظہورِ اسلام**
صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۵/- روپے

● **زلزلۂ قیامت**
صفحات ۶۴ قیمت ۳/- روپے

● **اسلامی دعوت**
صفحات ۴۸ قیمت ۳/- روپے

● **تاریخ کا سبق**
صفحات ۴۸ قیمت ۳/- روپے

● **عقلیاتِ اسلام**
صفحات ۴۸ قیمت ۳/- روپے

● **قرآن کا مطلوب انسان**
صفحات ۸۰ قیمت ۵/- روپے

● **مذہب اور سائنس**
صفحات ۷۲ قیمت ۴/- روپے

● **فسادات کا مسئلہ**
صفحات ۳۲ قیمت ۲/- روپے

● **انسان اپنے آپ کو پہچان**
صفحات ۲۴ قیمت ۱/- روپیہ

● **تعارفِ اسلام**
صفحات ۴۰ قیمت ۲/۵۰ روپے

● **راہیں بند نہیں**
صفحات ۴۸ قیمت ۳/- روپے

● **اسلام پندرھویں صدی میں**
صفحات ۳۲ قیمت ۲/ روپے

مکتبہ الرسالہ جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۱۱۰۰۰۶

نثار احمد حسین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

REGD. NO. D. (DN) 532
REGD. R. N. NO. 28822/76

January 1981
Issue No. 50

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231

کیا
آپ کی روزانہ کی خوراک سے
آپ کے بدن کو پوری قوّت اور
پورا فائدہ ملتا ہے؟

اپنی روزمرہ خوراک سے صحیح تغذیہ حاصل کرنا
اِس بات پر منحصر ہے کہ آپ کا نظامِ ہضم کتنا
ٹھیک اور طاقتور ہے۔

سنکارا ہی ایک ایسا ٹانک ہے جس میں
طاقت دینے والے ضروری وٹامنوں اور معدنی
اجزاء کے ساتھ چھوٹی الائچی، لونگ، دھنیا،
دارچینی، تیزپات، تلسی وغیرہ جیسی چودہ جڑی
بوٹیاں شامل ہیں۔ اِس مرکب سے آپ کے
نظامِ ہضم کو طاقت ملتی ہے اور آپ کا بدن
اس کی مدد سے آپ کی روزمرہ خوراک سے
صحیح تغذیہ اور بھرپور قوت حاصل کرتا ہے۔

سنکارا

ہر موسم اور ہر عمر میں
سب کے لیے بے مثال ٹانک

HD-5949 AU

ہمدرد